بسم الله الرحمٰن الرحيم

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ

ایران/اسرائیل — شیعیت/صہیونیت

کے مابین

تعلقات و روابط

www.KitaboSunnat.com

دعوتِ فکر و عمل

مؤلف: ابوالقسم انصاری

مترجم: محمود احمد

ناشر: حزب الرسول ۴۹/۸ - اے - بلاک ای
سٹیلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی

264.2

پیش لفظ

دنیا جانتی ہے کہ شیعیت کے نظریات و عقائد غیر اسلامی ہیں۔ اس رسالہ میں فاضل مؤلف نے انتہائی کاوش و تحقیق کے بعد اس مستند اور محققانہ مقالہ میں شیعیت اور صہیونیت میں مماثلت اور ہم آہنگی کی نشاندہی کی ہے۔ ساتھ ہی ایسے حقائق پر روشنی ڈالی ہے جس سے شیعہ ایران اور یہودی اسرائیل کے مابین یکساں عزائم اور گہرے روابط کا پتہ چلتا ہے۔

اپنے اچھوتے اور معلوماتی عنوان کے سبب یہ ایک قطعی تحقیق ہے اسکے مطالعہ سے قارئین کا یہ تجسس بڑی حد تک دور ہو جاتا ہے کہ آخر وہ کون سے محرکات تھے جن کے تحت عبداللہ بن سبا اور اسکے پیروکار حزب الشیطان قائم کر کے ایوانِ خلافت کو ڈھانے کا سبب بنے۔ قرآن کو مشکوک بنایا۔ پیغمبر اسلامؐ کی رسالت اور خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کی عظمت کو داغدار کیا۔ خلافت کی حقیقت کو نظر انداز کر کے فلسفہ امامت اور اہل بیت کے زمرے سے امہات المومنین کو خارج کر کے ایک خود ساختہ محدود تصور پیش کیا جو آگے چل کر آلِ محمد (ائمہ اثنا عشریہ) اور امام آخر الزماں پر ختم ہوا۔

اس رسالہ میں فاضل مؤلف نے انہی اسباب کا انتہائی احسن طریقے سے تجزیہ کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ صہیونیت کو کس طرح ابن سبا نے اسلامی لبادہ اوڑھا کر شیعیت کی شکل میں پیش کیا اس نے بڑی عیاری سے شیعیت کی اساس صہیونی افکار و عقائد پر رکھی تاکہ اس طرح اسلام کی تمام قدروں اور نظریات کو تہ وبالا کر سکے۔ حزب اللہ کے مقابلہ میں ایک فتین یہودی دماغ کی اختراع شیعیت کو فطری طور پر صہیونی افکار و نظریات کے خطوط پر قائم ہونا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ شیعیت کے تمام عقائد مثلاً امامت، بارہ امام، تورات و زبور کی تعلیم کی اتباع و تبلیغ، تابوت سکینہ، بنی اسرائیل کے انبیاء کا ترکہ اور فدک کا ورثہ، امام مہدی کی رجعت اور تورات کے احکامات کی روشنی میں یوم حشر تک دنیا پر حکمرانی وغیرہ صہیونیت سے ماخوذ ہیں۔

اس تحریر سے واضح ہو جاتا ہے کہ شیعیت اور صہیونیت میں پائے جانے والی یکسانیت و ہم آہنگی اور ایران اور اسرائیل کے مابین پائے جانے والے گہرے روابط شاطر عبداللہ بن سبا یہودی منافق کی ماہرانہ منصوبہ بندی کی مرہونِ منت ہیں۔

منجانب:-

محمود احمد

سیکریٹری جنرل
انجمن خدام اسلام پاکستان
ٹاؤن شپ لاہور - 40

المکتبۃ الرحمانیۃ
11830

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لمحۂ فکریہ

ایران / اسرائیل اور شیعیت / صہیونیت

کے مابین روابط اور تعلقات کا

تجزیہ

www.KitaboSunnat.com

تعارف

عہد حاضر کے مسلم ممالک جس اہم مسئلہ سے دوچار ہیں، وہ ہے ان کے اپنے درمیان موجود دوست اور دشمن میں ادراک کا فقدان۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی ہر سیاسی و نظریاتی پالیسی اکثر و بیشتر ناکامی کا شکار رہی ہے۔ چنانچہ جب تک مسلمانانِ عالم اپنے درمیان اور اطراف میں رہنے والے دوست و دشمن کی صحیح شناخت نہیں کرتے یہ افسوسناک سلسلہ جاری رہے گا۔ یہ مختصر تحریر ایک محرک اور مؤثر جماعت شیعہ اور شیعہ ریاست ایران، جس نے ابتدا ہی سے خود کو دنیائے اسلام سے منسلک کر رکھا ہے، کے مسلک، عقائد اور اعمال کے خدوخال کی وضاحت کرنے اور ناظرین کے لئے غور و فکر کا ضروری مواد بہم پہنچانے کے سلسلہ میں ایک ادنیٰ کوشش ہے۔

www.KitaboSunnat.com

شیعیت کو عام طور سے اسلام کا ایک فرقہ یا مکتب فکر کہا جاتا رہا ہے۔ اور شیعہ ریاست ایران کو دنیائے اسلام کی ایک اکائی سمجھا جاتا ہے۔ اس اندازِ فکر کی

معقولیت یا نامعقولیت کو پرکھنے کے لئے شیعیت کے حقیقی اور بنیادی عقائد و نظریات، اس کے اغراض و مقاصد اور کردار کا غیر جانبدارانہ اور تعصب سے پاک تجزیہ ضروری ہے۔ ساتھ ہی شیعہ ریاست ایران کے سیاسی کردار اور نظریاتی افکار کا بھی اسی زاویہ سے جائزہ لینا، صحیح صورتِ حال کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے۔

سب سے پہلے ہمیں تاریخِ اسلام میں پھیلے ہوئے مختلف ادوار میں ہونے والے سنگین واقعات پر نظر ڈالنی ہوگی تاکہ شیعی افکار و اعمال اور موجودہ ایران میں شیعی غلبہ حاصل کرنے کے سلسلہ میں حالیہ تحریک اور طریق کار میں ربط و تعلق کا اندازہ لگایا جاسکے واقعات و حقائق کو صحیح سیاق و سباق سے پرکھنے کے لئے کسی حد تک ضروری ہے کہ موجودہ ایران کے عزائم، حکمتِ عملی اور کردار کو عہدِ ماضی کی مختلف شیعی سازشوں اور یورشوں کی روشنی میں دیکھا جائے۔ اس طرح شیعیت کے بنیادی اغراض و مقاصد کے ساتھ ساتھ شیعہ زعماء کے عزائم اور منصوبوں کی پرکھ ممکن ہوگی۔

اس مختصر کتابچہ کو تین ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے تاکہ زیرِ بحث عنوان کو باقاعدہ بحث و استدلال کے ذریعہ آسان اور قابلِ فہم بنایا جاسکے۔

١۔ فعال شیعیت ——— حال اور ماضی

٢۔ نظریاتی شیعیت ——— عقائد و افکار

٣۔ حرف آخر ——— خلاصہ و نتیجہ

باب اول

فعّال شیعیّت کا ماضی اور حال

www.KitaboSunnat.com

الف۔ ایران میں خمینی انقلاب

مذہبی پیشوا آیت اللہ خمینی کی سربراہی میں "انقلابِ ایران کو چھ سال ہو چکے ہیں اس طویل مدت میں اس انقلاب سے بجز اقتدار میں تبدیلی کے دوسرا کوئی فرق نمایاں نہ ہوا انقلاب کا مطمحِ نظر اور مقصد ایرانِ عظمیٰ کی شیعہ سکیم کو مشرقِ وسطیٰ تک پھیلانا ہے اس سلسلہ میں عراق کو اولین اور آسان ہدف سمجھ کر نشانہ بنایا گیا۔ یہ امر قابلِ غور ہے کہ عراق کے صدر صدام حسین اور شام کے صدر حافظ الاسد دونوں کا تعلق بائیں بازو کی جماعت 'بعث' سے ہے۔ لیکن خمینی نے صرف عراق کو اپنا دشمن قرار دیا۔ وہ اس لئے کہ صدام حسین عقیدۃً مسلمان اہل السنۃ ہے۔ جب کہ حافظ الاسد کا تعلق ایک نصیری شیعہ فرقہ سے ہے جس کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ کے اوتار ہیں۔ حافظ الاسد نے اپنے طویل دورِ اقتدار میں ہزاروں مسلمانوں کا خون بہایا۔ مسلمانوں کا یہ قاتل اور دشمن روحانی پیشوا امام خمینی کا ہم مسلک اور رفیق کار ہے۔ ایک طرح سے حافظ الاسد وہی کھیل کھیل رہا ہے جسے اسرائیل برسہا برس سے مسلمانوں کے خلاف اپنائے ہوئے ہے۔

مشرقِ وسطیٰ کی مسلم ریاستیں گذشتہ چالیس سال سے 'اسرائیل عظمیٰ' کے توسیعی منصوبہ کی زد میں ہیں لیکن تعجب ہے کہ اسی خطہ میں ہونے کے باوجود 'ایرانِ عظمیٰ' اور 'اسرائیلِ عظمیٰ' کے مقاصد اور مفادات میں کبھی کوئی ٹکراؤ نہیں ہوا۔ برخلاف اس کے ایران

اور اسرائیل کے درمیان موجود دیرینہ تعلقات اور روابط، یکساں عزائم اور یکجہتی کا بھید خمینی انقلاب کے ساتھ کھل کر سامنے آگیا ہے۔ انقلابِ ایران کے فوراً بعد ایرانی توسیع پسندی کا آغاز عراق کے خلاف معاندانہ پروپیگنڈہ سے ہوا۔ تمام ایرانی سرکاری ذرائع ابلاغ نے عراقی عوام کو اپنی ہی حکومت کے خلاف بغاوت پر اکسانے کے لئے دن رات ایک کر دیا۔ عراق کے خلاف اس پروپیگنڈہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں ریاستیں دست بگریباں ہوگئیں۔ اس تباہ کن جنگ سے ایک بار پھر کہیں زیادہ واضح طور پر ایران اسرائیل دیرینہ گٹھ جوڑ اور عزائم کی قلعی کھل گئی۔

دنیا جانتی ہے کہ خمینی انقلاب سے پہلے شاہِ ایران نے کس طرح عرب اسرائیل جنگوں میں اسرائیل کا بالواسطہ ساتھ دیا تھا۔ دورانِ جنگ شاہ نے نہ صرف یہ کہ خلیج میں اسرائیلی ٹینکروں کو تحفظ فراہم کیا بلکہ بلا روک ٹوک اسرائیل کو تیل کی فراہمی جاری رکھی۔ مسلم دنیا یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی کہ ایران نے ایک دن کے لئے بھی بطورِ احتجاج اسرائیل کو تیل کی سپلائی بند نہ کی۔ اس آنکھ کھول دینے والے واقعہ کی آئندہ کسی مرحلہ پر وضاحت کی جائے گی۔ یہاں اس تاریخی واقعہ اور حقیقت کا ذکر محض اس غرض سے کیا گیا ہے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ خمینی انقلاب سے کہیں پہلے شاہ کے دور میں ایران اسرائیل تعلقات کس درجہ استوار تھے۔ انقلاب کے بعد تو ان معنی خیز رشتوں میں کئی گنا اضافہ اور گہرائی پیدا ہوگئی۔ اسرائیل، ایران عراق جنگ کی ابتداء ہی سے خمینی حکومت کی مادی اور اخلاقی امداد جاری رکھے ہوئے ہے۔

۱۔ اسرائیل نے عراق کے ایٹمی ری ایکٹر کی تنصیبات پر براہ راست جارحانہ بمباری کی
۲۔ اسرائیل، ایران کو خفیہ طور پر جنگی اسلحہ اور سامانِ حرب کی سپلائی تسلسل سے جاری رکھے ہوئے ہے۔

ایران اور اسرائیل کے مابین اسلحہ کی بہم رسانی کا خفیہ معاہدہ بین الاقوامی خبر رساں

ایجنسیوں کی رپورٹوں سے منظرِ عام پر آگیا ہے اور سرکاری ذریعوں سے جن کی تصدیق بھی ہوگئی ہے۔

ان اطلاعات اور انکشافات میں سے چند خبریں اور ان کی تصدیقی رپورٹیں ذیل میں تاریخ وار درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ ۱۲ اکتوبر ۱۹۸۰ء کو پیرس کے ایک جریدۂ افریق ایسی" (AFRIQUE ASIE) نے اپنے ایک مراسلہ نگار کے حوالے سے یہ رپورٹ شائع کی کہ" اسرائیلی فوجی اور سویلین ماہرین، ایران عراق جنگ کے تیسرے ہی دن ایرانی اسٹاف کمانڈ کی مدد کے لئے تہران پہنچ گئے تھے۔ ان اسرائیلی ماہرین کا تعلق خفیہ ادارہ (MOSSAD) سے ہے۔

۲۔ ۲ر نومبر ۱۹۸۰ء کو لندن کے ہفت روزۂ آبزرور" (OBSERVER) نے یہ خبر شائع کی کہ" اسرائیل بحری جہازوں کے ذریعہ جنگی اسلحہ تسلسل سے ایران بھیجتا رہا ہے۔"

۳۔ مورخہ ۳ر نومبر ۱۹۸۰ء کو مغربی جرمنی کے جریدہ" ڈائی ولٹ" (DIE VELT) نے لکھا کہ" اسرائیل نے ایران کو امریکی اسلحہ خصوصاً ایف۔۴ لڑاکا طیاروں کے فالتو پرزے فراہم کئے"

۴۔ مورخہ ۲۴ر جولائی ۱۹۸۱ء کو فرانسیسی روزنامہ لی فگارو" (LEE FIGARO) نے اطلاع دی کہ" خمینی کے ایک نمائندہ نے لندن میں خفیہ طور پر ایک ایسی کمپنی سے رابطہ قائم کیا جو اسرائیل کے لئے کام کرتی رہی ہے۔"

۵۔ مورخہ ۲۴ر جولائی ۱۹۸۱ء کو ارجنٹائنا کے دو روزنامون کرونیکا" (CRONICA) اور" لاپرنسا" (LA PRENSA) نے تصدیق کی کہ" سوویت یونین کے علاقہ میں گر کر تباہ ہونے والا ارجنٹائنا کا جہاز اسرائیل سے جنگی سامان لے کر ایران جا رہا تھا۔"

۶۔ مورخہ ۲۷ر جولائی ۱۹۸۱ء کو مغربی جرمنی کی میگزین" ڈر سپائیگل" (DER SPIEGEL) نے ایسی ہی ایک اطلاع دی کہ" خمینی کو اسرائیل کی ایما پر مختلف یورپی ایجنسیوں کے توسط سے اسلحہ فراہم کیا جا رہا ہے۔"

۷۔ مورخہ ۲۸ر جولائی ۱۹۸۱ء کو ایرانی پارلیمنٹ کے سپیکر ہاشم رفسنجانی نے ایرانی براڈکاسٹنگ کمپنی اور روزنامہ کیہان کو بیان دیتے ہوئے تسلیم کیا اور تصدیق کی کہ تباہ ہونیوالا ارجنٹائنی مال بردار جہاز (جس کا ذکر اوپر ۵ میں آچکا ہے) اسلحہ لیکر تہران آرہا تھا۔"

۸۔ مورخہ ۲۰ر اگست ۱۹۸۱ء کو ایران کے (سابق) صدر بنی صدر نے امریکن ٹیلیوژن 'اے۔بی۔سی' کے پروگرام نائٹ لائن (NIGHT LINE) کو یہ بیان دیا کہ "انہوں نے اسرائیل سے اسلحہ کی فراہمی کی مخالفت کی تھی اور عراق سے امن کے معاہدہ کی تجویز پیش کی تھی لیکن ایران کے مذہبی حکمرانوں نے ان کی ہر دو تجاویز مسترد کردی تھیں"۔

۹۔ مورخہ ۲۲ر اگست ۱۹۸۱ء کو ایران کی خبر رساں ایجنسی فارس نے ایران کے وزیر خارجہ حسین موسوی کا ایک بیان شائع کیا جس میں انہوں نے بنی صدر کو ذمہ دار قرار دیتے ہوئے وضاحت کی کہ "ایرانی حکومت نے جو اسلحہ حاصل کیا تھا' وہ اسرائیلی تھا جو یقیناً ایران کے صدر اور چیف کمانڈر۔ بنی صدر اور اسرائیل کے مابین کئے گئے معاہدہ ہی کے تحت آیا ہوگا"۔

۱۰۔ مورخہ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۸۱ء کو ارجنٹائنا کے ہفت روزہ "سیون ڈیز" (SEVEN DAYS) نے چند ایسی اہم دستاویزات شائع کیں جن سے یہ راز آشکارا ہوا کہ "تل ابیب (اسرائیل) سے تہران (ایران) بھیجے جانے والے سامانِ حرب کی ترسیل کا علم امریکہ کو پوری طرح تھا"

۱۱۔ مورخہ ۵ر نومبر ۱۹۸۱ء کو پیرس میں شائع ہونیوالے میگزین ایف۔ایس۔ڈی (F.S.D) نے یہ خبر شائع کی "حالانکہ اسرائیل کے وزیر اعظم بیگن (BEGIN) عراق کے خلاف خمینی حکومت کی امداد باقاعدگی سے جاری رکھے ہوئے تھے پھر بھی وہ چاہتے تھے کہ اسلحہ کی فراہمی اور خمینی سے اسرائیل کے تعلقات کو صیغہ راز میں رکھا جائے"۔

۱۲۔ مورخہ ۵ر دسمبر ۱۹۸۱ء کو عوامی جمہوریہ آسٹریا کے روزنامہ "فاکس بلاٹ" (VOLKS BLATT) نے اس ثبوت میں کہ ایران اور اسرائیل کا گٹھ جوڑ ہے، لکھا۔ "مختلف یورپی حکومتوں کے توسط سے خمینی حکومت اور اسرائیل کے درمیان خفیہ رابطہ اور سامانِ حرب کی مسلسل فراہمی کا انکشاف کیا۔"

۱۳۔ مورخہ یکم جنوری ۱۹۸۲ء کو برطانوی ٹیلیویژن پروگرام پینوراما (PANORAMA) میں اسرائیل سے ایران کو اسلحہ کی فراہمی کے سلسلے میں کیے گئے معاہدوں اور مذاکرات کی سنسنی خیز تفصیلات نشر کی گئیں۔

۱۴۔ مورخہ ۸ر فروری ۱۹۸۲ء کو امریکہ کے اسسٹنٹ سکریٹری آف اسٹیٹ برائے مشرقِ وسطیٰ نیکولس۔ اے فلیوٹش نے امریکی ایوانِ نمائندگان کی مشرقِ وسطیٰ سے متعلق کمیٹی کے سامنے اپنی تقریر میں ایران اسرائیل تعلقات اور اشتراک کی تصدیق کی۔ ساتھ ہی اس امر کا بھی انکشاف کیا کہ امریکہ نے بیگن سے ایران کو اسرائیلی اسلحہ کی ترسیل کے مسئلہ پر مذاکرات بھی کئے ہیں۔

یہ چند اطلاعات اور ان کی تصدیق جو بین الاقوامی اخبارات و جرائد میں شائع ہوئیں نہ صرف ایران، اسرائیل تعلقات کا پتہ دیتی ہیں بلکہ اس بات کی غمازی بھی کرتی ہیں کہ مشرقِ وسطیٰ کے مسلم ممالک کے خلاف دونوں کے عزائم اور مقاصد میں یک جہتی اور ہم آہنگی موجود ہے۔ فی الحال ان کا ہدف عراق ہے۔ ساتھ ہی اسرائیل ایران مشترکہ محاذ، بتدریج عالمِ اسلام کے دوسرے ممالک میں جگہ بنا رہا ہے۔ مسلمانوں کے خلاف ان کی مشترکہ سازش اور اس سے پیدہ شدہ خطرناک اثرات کا بہتر طور پر اندازہ لگانے کے لئے حال ہی کی ایک مثال زیادہ معاون اور مؤثر ثابت ہوگی۔

ہر ایک کے علم میں ہے کہ اسلام کے نام پر ایران میں انقلاب کا عمل پورا کرنے کے بعد آیت اللہ خمینی نے ببانگِ دہل خود کو عالمِ اسلام کا بلا شرکت غیرے روحانی

و دنیوی پیشوا ہونے کا دعویٰ شروع کر دیا ہے۔ ایک موقع پر توان کی شیعی حکومت
نے یہ دعویٰ کیا کہ اسلام کی خاطر اس نے اپنے فوجی دستے لبنان میں ان مسلم فلسطینیوں
کی امداد کے لئے بھیج دیئے ہیں جو اسرائیل اور اس کے ایجنٹوں کے ہاتھوں قتل و
غارت کا شکار ہیں لیکن جب اصلیت منظر عام پر آئی تو ایرانی دعوے کی قلعی کھل گئی
کیونکہ یہ شیعہ فوجی دستے درحقیقت یہودیوں اور عیسائی ملیشیا کے اشتراک سے مسلمانوں
کا قتلِ عام کرتے رہے ہیں۔ ساری دنیا کو علم ہو چکا ہے کہ صابرہ اور شطیلہ کے فلسطینی
کیمپوں میں مسلمانوں کے خون سے جو ہولی کھیلی گئی، اس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔
بین الاقوامی ہفت روزہ "نیوز ویک" نے اپنی ۴ ر اکتوبر ۸۲ء کی اشاعت میں صفحہ ۹ پر
اس وحشیانہ قتلِ عام کی تفصیل شائع کی ہے۔ اس چونکا دینے والی رپورٹ کا مأخذ
وہ عینی شاہد تھے جو ان غیر ملکی میڈیکل مشنوں میں شامل تھے جو صابرہ اور شطیلہ کے
فلسطینی کیمپوں میں طبّی امداد فراہم کرنے پر مامور تھے۔ نیوز ویک کی اس مصدقہ رپورٹ
میں انکشاف کیا گیا ہے کہ یہ قتلِ عام میجر حدّاد کی عیسائی ملیشیا نے اسرائیلی فوجوں کی
مدد سے کیا اور یہ کہ عیسائی ملیشیا کی دو تہائی نفری شیعہ فوجیوں پر مشتمل تھی جسے اسرائیلی
فوجیوں کی عملی اعانت حاصل تھی۔ اس طرح شیعہ فورس جسے خمینی حکومت نے فلسطینیوں
کی امداد کے لئے بھیجنے کا دعویٰ کیا تھا، اصل میں مسلمانوں (اہل السنۃ) کو تباہ کرنے
میں برابر اسرائیل کا ہاتھ بٹاتی رہی۔ اس طرح ستمبر ۸۲ء میں وہ شیطانی منصوبہ منظر عام
پر آ گیا جس کے تحت صابرہ اور شطیلہ کے کیمپوں میں فلنجسٹ، عیسائیوں، یہودیوں
اور شیعوں نے مشترکہ کمان میں یکجا ہو کر مسلمانوں کے بھیانک قتلِ عام کا ارتکاب کیا تھا
اور آج تک یہ عمل جاری ہے۔ ان تین اتحادیوں نے نہ تو اس رپورٹ کی تردید کی اور
نہ ہی اس قتلِ عام کی ذمہ داری قبول کی۔ امام خمینی، خود ساختہ پیشوائے اسلام، کو تو اتنی
اخلاقی جرأت بھی نہ ہوئی کہ اس اسلام دشمن اور مسلم کش کارروائی میں اپنی شیعہ عمل ملیشیا

کے ملوث ہونے کے الزام کی زبانی تردید ہی کر دیتے۔ اس امر کا ذکر بے محل نہ ہوگا کہ ستمبر ۸۲ء کے اس تاریخی اور لرزہ خیز سانحہ سے پی۔ ایل۔ او کے سربراہ یاسر عرفات کو خمینی کے اصل روپ کو پہچاننے میں مدد ملی اور اس واقعہ سے جونہی ان کو اسلامی طاقتوں کیخلاف ایران اسرائیل کے گٹھ جوڑ کا یقین ہو گیا تو یاسر عرفات نے نام نہاد اسلامی مملکت ایران سے اپنے ہر طرح کے تعلقات ختم کر لئے۔ شاہ کے دور میں ایران اسرائیل تعلقات جو باہمی اشتراکِ مقاصد کی بنیاد پر استوار ہوئے تھے بتدریج فروغ پا کر انقلابی دور میں مضبوط تر ہو گئے۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ ایرانی انقلاب دراصل ماضی کے شیعہ یہودی باہمی رشتوں کی ایک حقیقی اور مثالی تجدیدی شکل ہے۔ مئی ۸۵ء میں صابرہ اور شطیلہ پر شیعہ عمل ملیشیا کے دوبارہ حملوں اور قتل و غارت کا بھی یہی مقصد تھا۔ اور مارچ، اپریل ۸۶ء میں عمل ملیشیا کا حالیہ حملہ لبنان میں فلسطینی مسلمانوں کی مدافعانہ جنگی طاقت کو یکسر ختم کرنے کے ارادہ سے کیا گیا ہے تاکہ لبنان میں یہودی، عیسائی اور شیعہ کی متحدہ حکومت کا قیام ممکن ہو سکے۔

دوسری جانب ایران کے چھ صوبوں، کردستان، بلوچستان، آذربائیجان، بندر عباس خوزستان اور ہرمزگان، جہاں مسلمان اہل السنۃ کی اکثریت ہے، میں مسلمانوں پر دن رات کے قتل و غارت اور مظالم کے واقعات، خمینی اور ان کی نام نہاد اسلامی مملکت ایران کے دعوؤں کے جھوٹ کا منہ چڑاتے ہیں۔ اس ایرانی وفد کے سرکاری اعلان کے مطابق جس نے ۸۳ء کے اوائل میں پاکستان کا دورہ کیا تھا، ایران میں مسلمان اہل السنۃ کی آبادی چالیس فیصد ہے (بحوالہ روزنامہ جسارت کراچی مورخہ ۹ فروری ۸۳ء) خمینی برانڈ (چھاپ) کی اسلامی حکومت نے ان مسلمانوں کے خلاف ذیل کے غیر اسلامی اقدامات کئے ہیں۔

۱ــــ ایرانی دستور کی دفعہ ۱۲، اسلام کی بجائے ریاست کے مذہب کو شیعیت سے

مشروط و مخصوص کرتی ہے اور ایرانی اعیانِ اسلام اہل السنۃ کو دوسری نسلی اور مذہبی اقلیتوں کی طرح سمجھتی ہے۔

۲۔ کوئی مسلمان اہل السنۃ ریاست کے ۲۲ صوبوں میں سے کسی ایک میں بھی (حالانکہ چھ صوبے مسلم اکثریت کے ہیں) کبھی گورنر مقرر نہیں کیا گیا۔

۳۔ مسلمانوں (اہل السنۃ) کو کابینہ اور ایرانی پارلیمنٹ میں کوئی نمائندگی نہیں دی گئی۔

۴۔ مسلمان (اہل السنۃ) کو اجازت نہیں کہ وہ اپنی الگ مساجد تعمیر کر سکیں۔ یہاں تک کہ تہران میں جو ایران کا سب سے بڑا شہر ہے، آج بھی وہاں مسلمانوں کی کوئی اپنی مسجد نہیں ہے۔

یہ مختصر کوائف اسلام اور مسلمانوں کے خلاف خمینی کی شیعہ حکومت کے دیدہ و دانستہ معاندانہ رویے کو سمجھنے کے لئے کافی ہیں۔ یہ اقدامات نہ صرف یہ کہ غیر اسلامی ہیں بلکہ صریحاً اسلام دشمنی کے مترادف ہیں۔ مذہبی تعصب سے ہٹ کر موجودہ ایرانی حکومت میں انسان دوستی کا بھی بڑا فقدان ہے کیونکہ اس نے اپنی چالیس فیصد آبادی (اہل السنۃ) کو نہ صرف ان کے بنیادی حقوق سے محروم کر رکھا ہے بلکہ ان کے اکثریتی صوبوں میں قتل و غارت کا بازار بھی گرم کر رکھا ہے۔

متذکرہ بالا مختصر حقائق اور واقعات 'نجات دہندہ اور ربانی' اسلامی مملکت ایران' کے کارہائے نمایاں کی محض ایک جھلک ہے۔ یہ انکشافات ان لوگوں کی' جو خمینی انقلاب کے لئے نرم گوشہ رکھتے ہیں" آنکھ کھولنے کے لئے مواد بہم پہنچاتے ہیں۔

(ب) ایران کا شاہی دور

آئیے شاہِ ایران کے دور پر سرسری نگاہ ڈالنے کیلئے تاریخ کے چند اوراق پلٹتے ہیں یاد ہوگا کہ اکتوبر ۱۹۷۱ء میں ایرانی شہنشاہیت کی ڈھائی ہزار سالہ تقریب (یوم سائرس)

ایران اور اسرائیل نے بیک وقت منائیں۔ سائرس (دارا) شہنشاہ ایران نے اسی تہینہ میں کوئی ڈھائی ہزار سال قبل بابل کے یہودیوں کو آزادی دلائی تھی۔ اس سلسلہ میں "جیوش کرانکل" میں طبع شدہ ایک اقتباس، بیسویں صدی میں ایران اسرائیل تعلقات کے پس منظر پر روشنی ڈالتا ہے جو دونوں کے درمیان صدیوں سے موجود ہیں۔

"اسرائیل کا منصوبہ ہے کہ ایران کی طرح ایرانی شہنشاہیت کی ڈھائی ہزار سالہ تقاریب بیک وقت اسرائیل میں بھی منعقد کی جائیں۔ ان تقاریب کے موقع پر رائشونک ژیان (RAISN ONIC ZION) کی بستی کو ایرانی یہودیوں سے معنون کرکے ایرانی شہنشاہ سائرس کے نام سے منسوب کر دیا جائے جس نے اپنے دورِ اقتدار میں بابل میں پھنسے ہوئے یہودیوں کو عذرا اور نحمیاہ (EZRA & NEH MIEH) کی سرکردگی میں فلسطین جانے کی اجازت دی تھی۔ سائرس سے منسوب اس بستی کی ایک سڑک کا نام شاہِ ایران کے اعزاز میں "شارع رضا شاہ پہلوی رکھا جائے گا" (جیوش کرانکل، ۱۰ ستمبر ۱۹۷۱ء)

ڈھائی ہزار سالہ ایرانی شہنشاہیت کی تقاریب کا منصوبہ اور پروگرام جسے ایران اور اسرائیل نے باہمی اشتراک سے بنایا تھا، بعد میں اسی منصوبہ پر عمل کرتے ہوئے اپنی اپنی جگہ بیک وقت جشن منایا۔ اس سے ان کے یکساں مزاج اور مفاد کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس صورت میں جب مصلحت آمیز تعلقات کو عملی جامہ پہنا کر سیاسی رنگ دے دیا جائے تو ان کے غیر معمولی گٹھ جوڑ کا بھید پوری طرح کھل جاتا ہے۔ چنانچہ اس پر عمل کرتے ہوئے ۱۹۷۳ء میں ایران و اسرائیل کے درمیان جن عسکری معاملات میں سیاسی طور پر عملدرآمد کیا گیا، وہ درج ذیل ہیں۔

"سینکڑوں ایرانی افسرانِ اعلیٰ تربیت کے لئے اسرائیل بھیجے گئے ہیں، اور تہران، یروشلم اور واشنگٹن نے مل کر پورے مشرقِ وسطیٰ میں جنگی راز کے حصول اور باہم دگر بہم رسانی کا موثر جال بچھا دیا ہے۔ تہران یروشلم باہمی روابط اور تعاون

کا ایک اور ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ فی الوقت اسرائیل اپنی تیل کی ضروریات کا بیشتر حصہ ایران سے حاصل کرتا ہے جب کہ ایران خلیج میں اسرائیلی ٹینکروں کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔" (نیوز ویک صفحہ ۱۷ مورخہ ۱۲ مئی ۱۹۷۳ء)

مندرجہ بالا اقتباس کو تشریح طلب نہیں، پھر بھی اس سلسلہ میں وضاحت کی ضرورت ہے۔ اول یہ کہ تہران، یروشلم اور واشنگٹن کے درمیان باہمی روابط کا جو حوالہ (نیوز ویک میں) اوپر آیا ہے اس کا تعلق درحقیقت امریکہ کی بدنام زمانہ سی۔ آئی۔ اے سے ہے۔ اب یہ راز طشت از بام ہو چکا ہے کہ سی۔ آئی۔ اے مشرقِ وسطیٰ میں کس طرح اور کس کے خلاف کام کرتی ہے مصدقہ دستاویزی مواد سے بھری ہوئی کتاب "گیم آف نیشنز" (مصنفہ مائیلز کوپ لینڈ) اور بہت سی دوسری کتابیں جیسے اِنوِنسیبل گورنمنٹ (INVINCIOLT GOVERHMENT) اور سی۔ آئی۔ اے نے امریکی جاسوسی ادارہ سی آئی اے کے طریقۂ کار کو منظرِ عام پر لا کر اس ایجنسی کی پراسرار کارروائیوں کا پردہ چاک کیا ہے۔ یہ ادارہ مٹھی بھر لیکن انتہائی بااثر یہودیوں کے کنٹرول میں ہے جو اسے اندرون و بیرونِ ملک جس طرح چاہتے ہیں، اپنے مفاد میں چلاتے ہیں۔ یہودی ہاتھوں میں ہونے کے ناطے سے سی۔ آئی۔ اے کا مقدم اور اہم ترین ہدف ابتداء ہی سے دنیائے اسلام رہا ہے اور آج بھی اس کی نظروں میں اسی کو اولیت حاصل ہے۔

دوئم یہ کہ مذکورہ رپورٹ اسرائیل کو ایرانی تیل کی سپلائی اور ایران کا خلیج میں اسرائیلی ٹینکروں کی حفاظت، عوامل کے حوالہ سے بلا وضاحت ادھوری رہ جاتی ہے۔ اس ضمن میں قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اسرائیل کو ایرانی تیل کی بلا رکاوٹ اور مسلسل ترسیل جنگِ عرب کے دوران بھی جاری و ساری رہی۔ اس طرح شاہِ ایران نے بجائے اس کے کہ اسرائیل کو جو عرب مسلمانوں کے خلاف برسرِ جنگ تھا، علامتی احتجاج کے طور پر ہی جنگ کے دنوں میں تیل کی سپلائی روک دیتا۔ اُلٹا مشرقِ وسطیٰ کے مسلمانوں کیخلاف

جارح اسرائیل کا حمایتی بننے کو ترجیح دی۔
خمینی کے موجودہ دور میں اسرائیل نے نہ صرف یہ کہ ایران کو اسلحہ کی سپلائی کر کے ایران عراق جنگ میں اس کی حمایت کی بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر عراق کی ایٹمی تنصیبات کو بمباری کر کے تباہ کر دیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ کے عہد سے لیکر موجودہ خمینی دور تک ایران، اسرائیل اشتراک اور روابط فروغ پا کر باقاعدہ ایک خطرناک مہم جویانہ اتحاد کی شکل اختیار کر چکے ہیں جس کا مشترکہ مقصد مشرقِ وسطیٰ پر غلبہ حاصل کرنا ہے۔
سوئم یہ کہ پرشین گلف جس کا ذکر نیوز ویک میں آیا ہے، ایک متنازعہ اصطلاح ہے۔ ایران یہ گوارا نہیں کرتا کہ کوئی ملک اس کو عربین گلف (خلیج عرب) کا نام دے ایرانی زعماء مصر ہیں کہ اس خلیج کو پرشین گلف کا نام دیا جائے! ایران کا یہ غیر ضروری اصرار عربوں سے اس کی شدید نفرت کی غمازی کرتا ہے۔ خلیجی علاقہ میں مسلمان اپنی کثرتِ تعداد کے سبب ممتاز اور نمایاں مقام رکھتے ہیں اور انہی عربوں کے ہاتھوں ماضی میں مجوسی ایران پر اسلام کا پرچم لہرایا تھا۔ عہد ماضی میں ایران پر مسلمانوں کا تسلط حاصل کرنا، ایرانیوں کے دل میں آج بھی نفرت کا کبھی نہ بجھنے والا آتشکدہ بھڑکائے ہوئے ہے۔ ماضی میں مسلمانوں کا یہ اقدام (فتح ایران) ایران کی نظر میں آج بھی ناقابلِ فراموش اور ناقابلِ معافی ہے۔
شاہ کے عہد میں جنگی نوعیت کے راز فراہم کرنے کا جس تین طرفہ خفیہ نظام کا ذکر نیوز ویک رپورٹ میں آیا ہے اور جس کی شاہِ ایران نے سرکاری طور پر ۱۹۷۳ء میں خود یوں تصدیق کی ہے:۔

> "شاہ نے سی۔بی۔ایس کے نامہ نگار کو بتایا کہ امریکہ یا سی۔آئی۔اے سے ایران کے اشتراک کی نوعیت محض باہم دگر اطلاعات کا تبادلہ کرنا ہے"

(امپیکٹ انٹرنیشنل صـ۲ مارچ ۱۹۷۵ء)

شاہِ ایران کے اس مختصر بیان کے پیچھے ایرانی ارادوں اور عزائم کی ایک داستان

پوشیدہ ہے۔ اس بیان سے نہ صرف ایران، اسرائیل اور سی۔آئی۔اے کے درمیان مشترکہ مقاصد اور عمل میں یکسانیت اور ہم آہنگی کی نشاندہی ہوتی ہے بلکہ اس مثلث کے مابین خفیہ بند و بست اور کارروائیوں کی تصدیق بھی ہوتی ہے، جو اوپر نیوز ویک رپورٹ سے ظاہر ہوئی۔ دراصل شیعہ ریاست کے سربراہ کی طرف سے دیئے گئے سرکاری بیان سے پہلی بار شیعیت کے عملی سیاست میں ملوث ہونے کا راز دنیا پر کھلا لیکن شیعیت کے مسلم کش سیاسی کردار کا بھانڈہ (جیسا کہ اوپر بیان ہوا) پوری طرح خمینی کے ہاتھوں پھوٹا۔

(ج) عہدِ حاضر کا ایران ماضی کے پس منظر میں

سطورِ بالا میں جو حقائق اور کوائف بیان کئے گئے ہیں ان سے یقین راسخ ہو جاتا ہے کہ کس طرح موجودہ ایرانی حکمتِ عملی کی جڑیں تاریخ میں دور تک پھیلی ہوئی ہیں دراصل خمینی کی سربراہی میں آج کے ایران کا کردار اس فعال اور سیاسی شیعیت کی انتہائی شکل ہے جس کی ابتداء منافق یہودی عبداللہ بن سبا، کے ہاتھوں پہلی صدی ہجری کے اوائل میں ہوئی تھی۔ بنا بریں شیعیت نہ صرف یہ کہ صیہونیت کی کوکھ سے پیدا ہوئی بلکہ اس کی تخلیق کا مقصد ہی اسلام کے خلاف ایک گھناؤنی سازش تھا۔ امام مالکؒ نے جو کہ اسلام کے ابتدائی دور میں بہت بڑے عالم، محدث اور فقیہہ ہوئے ہیں، آج سے کوئی ۱۳۰۰ سال قبل اس طرح فرمایا ہے

"علمائے اسلام شیعیت کو اسلام کے خلاف ایک سازش سمجھتے ہیں"

(منہاج السنۃ۔ ج چہارم۔ علامہ ابن تیمیہ)

آج سے تقریباً سات سو سال قبل امام ابن تیمیہؒ نے جو دینی علوم کے مستند شیخ اور محدث تھے، شیعیت کے سیاسی اور نظریاتی اجزائے ترکیبی کا اپنی تصنیف منہاج السنۃ کی چار جلدوں میں محققانہ اور مدلل تجزیہ کرتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں یہ حقیقت

واشگاف کی ہے کہ کس طرح اہلِ تشیع نے اسلامی تاریخ کے ہر موڑ اور ہر دور میں اسلام دشمن طاقتوں سے ساز باز کر کے ہر اسلامی ریاست کے خلاف منافقانہ کردار ادا کیا ہے اور طرح طرح کی فریب کاری کی! امام ابن تیمیہ کی تحقیق اور معلومات کا نچوڑ حسبِ ذیل ہے :-

"مختصر یہ کہ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے اس کی تاریخ میں شیعیت ایک سیاہ ترین بدنما داغ سے زیادہ کوئی مقام نہیں رکھتا"۔ (منہاج السنۃ۔ ج ۴)

شیعیت کے متعلق ان دو جلیل القدر اور پائے کے علماء کا یہ اہم اور پُر معنی تجزیہ نہ صرف مسلم اُمہ کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے بلکہ لمحۂ فکریہ بھی ہے۔ اسلام کی تمامتر تاریخ ان جلیل القدر ائمہ کے مشاہدات کی صداقت پر مہرِ تصدیق ثبت کرتی ہے۔ آئیے! یادداشت کو تازہ رکھنے کے لئے ماضی پر نظر ڈالیں اور تصویریں ماضی کے چند تاریخی واقعات کا نقشہ کھینچیں۔ اختصار کی خاطر اسلامی تاریخ کے تین واضح اور اہم ادوار سے نظیریں پیش کرنا کافی ہوگا۔

www.KitaboSunnat.com

۱۔ اسلام کا ابتدائی دور — فعال شیعیت اور تحریک کا ظہور اور کردار

۲۔ اسلام کا عہدِ وسطیٰ — خلافتِ عباسیہ کا دور

۳۔ اسلام چودھویں صدی کے آخر میں — اسلامی جمہوریہ پاکستان

(د) اسلام کا ابتدائی دور (پہلی صدی ہجری)

شیعیت پر اسلام کے دو ارفع مقام رکھنے والے علماء و معتمد محدثین (امام مالکؒ اور امام ابن تیمیہؒ) کے اوپر کے تبصرے ہمیں اس فتنہ کی یاد دلاتے ہیں جو خلیفۂ ثالث راشد سیدنا عثمان بن عفان رضؓ کے عہد میں مدینہ کی پہلی اسلامی ریاست کے خلاف برپا کیا گیا یہ وہ دور تھا جب شمعِ اسلام کی ضیاء ہر چہار طرف ضوفشانی کر رہی تھی اور اسلامی ریاست

تیزی سے ہر چہار طرف پھیل رہی تھی۔ دبدبۂ اسلام اور اسلامی ریاست کی وسعت اور اس کا فروغ، تمام اسلام دشمن عناصر بالخصوص یہودیوں کے لئے ناقابل برداشت تھا قرآنی ارشادات کے مطابق یہودی خصلتاً بدترین منافق رہے ہیں جس کی دنیا میں مثال نہیں ملتی۔ اس پس منظر میں، صیہونی دماغ نے عہد عثمانی میں خلافتِ راشدہ کے خلاف ایک سازش کی داغ بیل ڈالی اور ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت تمام اسلام دشمن عناصر کو مشترکہ مقصد کے تحت ایک پلیٹ فارم پر منظم کیا۔ جس کا خفیہ مشن ابتداء میں مسلمانوں کی صفوں میں بدگمانیوں اور نفاق کا بیج بونا تھا۔ تاکہ ملت اسلامیہ جو دشمنوں کے خلاف ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح متحد و متفق تھی۔ بتدریج تفرقہ کا شکار ہو کر پارہ پارہ ہو جائے۔ اور انجام کار منتشر ہو کر فنا کے گھاٹ اتر جائے۔ اس منصوبہ پر عملدرآمد کی ابتداء ایک ایسے عیار و مکار یہودی کی سرکردگی میں کی گئی جس نے ظاہراً اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا شیطان لعین کے اس چیلے کو تاریخ عبداللہ بن سبا کے نام سے پکارتی ہے۔ ابتدائے میں یہ فتّین شخص اپنے یہودی ٹولے کے ساتھ حلقۂ اسلام میں داخل ہوا تاکہ اندر رہ کر مسلمانوں کے درمیان نفاق کا بیج بوسکے اور اسلامی عقائد و افکار کو مشکوک بنا کر مسخ کر سکے۔ چنانچہ اس گروہ نے اپنے کو شیعۂ علی کہنا شروع کیا اور منافقین اور ضعیف العقیدہ نومسلموں کو اپنے گرد اکٹھا کیا۔

چنانچہ اس طرح شیعیت نے شیعۂ علی کے روپ میں امتِ مسلمہ میں ایک یہودی کی کوکھ سے جنم لیا۔ شیعیت کے روپ میں بتدریج اور ثابت قدمی کے ساتھ "دھوکا دو اور نفاق ڈالو" کا صیہونی منصوبہ پروان چڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ شیعیت کے نعروں کے سہارے یہ یہودی ٹولہ سیدنا عثمان رض کے خلاف افترا اور تہمت تراشی کا جال بچھا کر امتِ مسلمہ میں داخلی اختلاف پیدا کرنے میں کامیاب ہو گیا اور بعد میں ایک منظم کارروائی کے ذریعہ آپ کو شہید کرا دیا۔ شہادت عثمان کے بعد ہونے والے

دوسرے خلیفہ حضرت علی رضؓ کو اس فتنہ کو دبانے اور حالات پر قابو پانے کی تمام تر کوششیں رائیگاں گئیں اور شیعیت اپنی چالوں اور فریب کاریوں سے جنگِ جمل اور صفین میں باہم دگر صف آراء کرا کے مزید ایک انتہائی افسوسناک صورتِ حال پیدا کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ یہ وہ پہلی پسپائی اور کاری ضرب ہے جو اسلامی معاشرہ اور نظام کو یہودی شیعہ گٹھ جوڑ کے ہاتھوں اٹھانی پڑی۔ اس المناک واقعہ کی متعدد شہادتیں تاریخ میں ملتی ہیں۔ شاہ عبدالعزیز رحؒ کا تبصرہ بطورِ نمونہ پیش ہے:۔

"حضرت عثمان بن عفان رضؓ کی خلافِ راشدہ کے دوران اسلام دشمن عناصر نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ظاہراً دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا۔ تاکہ اندر رہ کر اسلام کو نقصان پہنچائیں۔ اس کی اقدار کو مسخ کریں اور پھر اسے نیست و نابود کر دیں۔ انہوں نے شیعۂ علی کا لقب اختیار کر کے اہلِ ایمان کی صفوں میں نفاق اور نفرت کا بیج بویا۔ شیعۂ علی کے اس گروہ کا بانی اور اور سرخیل عبداللہ بن سبا یمن کا ایک یہودی تھا جس نے شیعیت کے نام سے ایک الگ مسلک قائم کیا۔" (شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تحفۂ اثنا عشریہ۔ باب اول)

اس طرح ایک اسلام دشمن گروہ وجود میں آیا۔ جس کے عزائم اور مقاصد کم و بیش آئندہ بھی وہی رہے اور شیعیت بعد میں سبائی منصوبوں پر عمل پیرا رہی تاکہ پھلتے پھولتے صحتمند اسلامی معاشرہ کے ڈھانچہ کو منہدم کیا جا سکے۔ اسلام کے یہ پیدائشی دشمن اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ مسلمانوں کی حاکمیت اور غلبہ کا اصل محرک شیطانی قوتوں کے خلاف ان کا جذبۂ جہاد ہے۔ اس لئے شیعیت کی تمام تر کوشش ہمیشہ یہ رہی کہ جس طرح بھی ممکن ہو اسلامی جہاد کا رُخ خارجی محاذ سے ہٹا کر داخلی محاذ آرائی اور قتل و جدال کی طرف موڑ دیا جائے۔ دنیائے اسلام کو چاہیئے کہ شیعیت (صیہونیت کی ذیلی پیداوار) کی اس خطرناک چال اور اس کی سنگینی کا جسقدر جلد ممکن ہو احساس کر لے اسی

میں اس کی بہتری ہے۔

(۷) اسلام کا عہدِ وسطیٰ (ساتویں صدی ہجری)

خلافتِ راشدہ کے دور میں تباہی و بربادی پھیلانے کے بعد نوزائیدہ شیعیت نے خلیفۂ وقت کے اقتدارِ اعلیٰ اور مسلمانوں کے روحانی اور سیاسی مرکز دمشق و بغداد کے خلاف اپنی گھناؤنی چالوں اور تخریبی کارروائیوں کو جاری رکھا۔ لیکن شیعیت کی طرف سے برپا کردہ ہر طرح کی بغاوتوں، سازشوں اور خروج سے گزر کر مسلمانوں کی مرکزیت اور خلافت آئندہ چھ سو سال تک (نویں صدی ہجری کے نصف تک) مضبوطی سے قائم و دائم رہی۔ پھر اچانک اس پر آفت ٹوٹی۔ مسلم خلیفہ کے پایۂ تخت، بغدادِ عظمیٰ میں خون کی ہولی کھیلی گئی۔ اس طرح اسلام کے عہدِ وسطیٰ میں سقوطِ بغداد کی المناک کہانی ہمارے لئے لمحۂ فکریہ ہے تاکہ اس سے سبق حاصل کیا جاسکے۔

۶۶۵ھ میں عروس البلاد بغداد، اسلامی دنیا کا دل اور ساری دنیا کے لئے علم و فن کا گہوارہ تھا۔ یہ شہر اپنے لاتعداد کتب خانوں، مدرسوں اور دار العلوموں کے لئے ساری دنیا میں مشہور و معروف تھا۔ دنیا کی عظیم ترین یونیورسٹی بغداد میں قائم تھی جو اپنے شہرہ آفاق فلاسفہ، مورخین، ریاضی دانوں اور دیگر علوم و فنون کے ماہر اساتذہ کی وجہ سے عالمی شہرت رکھتی تھی۔ بالفاظ دیگر مسلمانوں کا یہ مرکز خلافت باقی دنیا کو علم و عرفان کی روشنی سے منور کر رہا تھا۔ بنو عباس کے دور میں یہ مرکز ہر اعتبار سے دنیائے اسلام کی راہبری کا حق اتنے احسن طریق سے ادا کر رہا تھا کہ مسلم معاشرہ میں رہنے بسنے والے اسلام دشمن عناصر (شیعہ) کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔ مسلمانوں کی یہ خوشحالی ترقی، دبدبہ اور اقتدار ان کو ایک آنکھ نہ بھایا۔ اور انہوں نے اسے تباہ کرنے کی ٹھانی اس بار انہوں نے ایک نرالا طریقہ کار اپنایا۔ انہوں نے اپنے دو انتہائی، با اعتماد مخلص

اور باصلاحیت کارکنوں کی تربیت اس نہج پر کرنا شروع کی کہ آئندہ وہ دو مختلف حکمرانوں کے دربار میں رسائی حاصل کر کے کسی نہ کسی طرح ان کی ناک کا بال بن جائیں۔ ان دونوں تربیت یافتہ افراد میں سے ایک محمد بن احمد علقمی جوڑ توڑ، خوشامد اور فراست سے کام لے کر عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کا وزیر خاص بن بیٹھا اور دوسرا شیعہ کارکن نصیرالدین طوسی مسلمانوں کے بدترین دشمن منگول حکمران ہلاکو خان کے دربار میں رسائی حاصل کرنے کے بعد اس کا معتمد خاص مشیر بننے میں کامیاب ہو گیا۔

یہ دونوں عیار سازشی (ابن علقمی اور طوسی) سوچے سمجھے منصوبوں کے مطابق اپنے اپنے حلقہ کار میں ایک ہی مقصد کے حصول کے لئے اپنے معینہ کردار ادا کرتے رہے دونوں کے سامنے واحد نصب العین دنیا کے سب سے زیادہ متحرک، طاقتور اور مستحکم سلاطین خاندان عباسیہ کو بیرونی طاقت کے ذریعہ نیست و نابود کرنا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شیعی مدبروں نے انتہائی غور و خوض کے بعد اس گھناؤنے منصوبہ کو ایسے ماہرانہ انداز میں مرتب و مکمل کیا تھا کہ ہر دو جانب سے ناکامی کا کوئی امکان ہی باقی نہ رہے۔ آخر کار اس منصوبہ پر مرحلہ وار عملدرآمد کا آغاز کیا گیا۔

خلافت بنو عباس کا وزیر خاص مقرر کئے جانے کے بعد ابن علقمی انتہائی تندہی اور ریاضت و فراست سے اپنے فرائض منصبی ادا کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے خلیفہ کا اعتماد حاصل کر لیا۔ اور جب اس کی طرف سے خلیفہ کا اعتماد پوری طرح بحال ہو گیا تو اس نے اپنے منصوبے پر عمل کا آغاز کر دیا۔ ابتدا میں اس نے خلیفہ کو اتنی کثیر فوج پر ہونے والے اخراجات کو ریاست کے خزانے پر ایک زبردست بوجھ ہونے کا احساس دلایا اور مشورہ دیا کہ فوج میں بڑی حد تک کمی کر کے یہ اخراجات کم کئے جا سکتے ہیں۔ اس طرح جب وہ مسلم افواج کی حربی طاقت اور نفری کو کم کرا کے خلیفہ عباسیہ اور مسلم ریاست کی طاقت کو کمزور کرنے میں کامیاب ہو گیا تو اس نے ہلاکو کو

بغداد پر حملہ کی دعوت دی تاکہ وہ اس عظیم مسلم مملکت کو تہ و بالا کر کے اسلامی خلافت کو صفحۂ ہستی سے مٹا دے۔ دوسری طرف نصیرالدین طوسی ہلاکو کا مشیر خاص اپنے منگول خاقان کو اسلام کے مرکز اور خلافت کے پایۂ تخت پر حملہ کرنے پر اکسایا چنانچہ ۶۵۶ھ میں تحریک شیعیت نے اپنے تیار کردہ شاہکار منصوبے پر چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان کے ہاتھوں عمل کرایا جس کے نتیجہ میں نہ صرف یہ کہ تاریخ کی سب سے بڑی اور طاقتور مسلم ریاست جڑ سے اکھاڑ پھینکی گئی بلکہ لاکھوں مسلمانوں کا خونِ ناحق ہوا مختصر یہ کہ مرکز اسلام کو اندرونی اور بیرونی دشمنوں کی چکی کے دو پاٹوں کے درمیان لا کر بُری طرح پیس دیا گیا اور مسلم تہذیب و تمدن جو ساتویں صدی ہجری میں اپنے عروج پر تھی تہس نہس ہو گئی سقوط بغداد اور مسلم عوام کا قتلِ عام اسلامی تاریخ کا ایک ایسا عظیم المیہ ہے جس پر امتِ مسلمہ ہمیشہ آنسو بہاتی رہے گی۔

مؤرخین نے عظیم بغداد کی تباہی پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ یہاں ہم تاریخ سے صرف چند ایسے حقائق اور شواہد کا حوالہ دیں گے جن سے عیار شیعہ کے ہاتھوں ماضی میں کئے گئے جرائم میں سے سب سے زیادہ گھناؤنے جرم کی یاد تازہ ہو سکے۔ مورخین کی معلومات کے چند ایسے اقتباسات ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ شیعیت اور شیعہ جو بلا شبہ صیہونیت کی پیداوار ہیں۔ ہمیشہ اور ہر دور میں مسلم عوام اور اسلامی اقدار اور اداروں کی تباہی کا سبب بنتے رہے ہیں۔

۱۔ امام جلال الدین سیوطی رح نے اپنی تصنیف "تاریخ الخلفاء" میں تحریک شیعیت کے خصوصی طریقہ کار جس پر ابن علقمی نے عمل درآمد کیا، پر یوں تبصرہ کیا ہے:۔

"مستعصم (عباسی خلیفہ) اپنے وزیر ابن علقمی پر مکمل اعتماد رکھتا تھا جب کہ ابن علقمی خلیفہ کے ان دشمنوں اور غداروں سے ساز باز رکھتا تھا جو خلیفہ کے دشمن تھے۔"

"وہ خلیفہ کو ہر معاملہ میں اس وقت تک فریب دیتا رہا جب تک وہ (خلیفہ) فنا کے گھاٹ نہ اتر گیا۔ وہ خلیفہ کے دشمنوں کے لئے کام کرتا تھا اور ان کی کامیابی کا متمنی تھا" (سیوطی رح۔ تاریخ الخلفاء ص ۴۱۶)

مشہور مؤرخ ابن خلدون نے اس چنگاری کی نشاندہی کی ہے جس کے ذریعہ ابن علقمی ایک خوفناک اور تباہ کن دھماکے کا موجب بنا۔

"ابن علقمی نے سپاہِ بغداد کی نفری اور حربی قوت کو بڑی حد تک کم کر کے کمزور کر دیا تھا اور جب ہلاکو نے ذی الحجہ ۶۵۵ھ میں بغداد پر فوج کشی کی تو بچی کھچی مسلم سپاہ نے دشمنوں کا مدافعانہ مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی۔ (مقدمہ ابن خلدون ج ۳)

۳۔ ابن علقمی کی سازش اور دوغلے پن کا ثبوت حسب ذیل اقتباسات سے بھی ملتا ہے۔

"مملکت کی آمدنی پر بوجھ ہونے کا جواز پیدا کر کے ابن علقمی جب افواج کی نفری اور حربی قوت کو خطرناک حد تک کم کرنے میں کامیاب ہو گیا تو اس نے ہلاکو کو بغداد پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ مزید اس کی ہدایت پر شیعہ آبادی نے بھی اسی طرح کا دعوت نامہ ہلاکو کو بھیجا جس پر ہلاکو نے لبیک کہا اور بغداد پر لشکر کشی کی" (اکبر شاہ خان نجیب آبادی۔ تاریخ الاسلام)

۴۔ شیعہ فرقہ کے مجموعی کردار پر تاریخی بیان قابلِ غور ہے:۔

'کرخ اور کاظمین کے نواح میں بسنے والے شیعوں نے منگولوں کی اطاعت قبول کر لی تھی اور فوجی کنٹرول کے سلسلہ میں ایک منگول دستہ حلہ میں داخل ہوا جہاں کے شیعوں نے من حیث الجماعت اس کا والہانہ استقبال کیا"

(سر جان گلب۔ دی لاسٹ سنچریز ص ۲۵۴)

۵۔ مشہور مورخ ابن کثیر رح نے منگولوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے قتلِ عام کا حشر یوں بیان کیا ہے:۔

"بغداد میں بہیمانہ قتلِ عام چالیس دن تک جاری رہا۔ گلی کوچوں میں ہر طرف انسانی لاشیں اور خون پھیلا ہوا تھا۔ گلی سڑی لاشوں کی بدبو ہواؤں کے ساتھ دیارِ شام تک پہنچی تھی۔ (ابن کثیر۔ البدایہ والنہایہ ج ۱۳)

۶۔ انجام کار خلیفہ مستعصم باللہ کی قسمت کا فیصلہ ابن علقمی اور نصیر الدین طوسی وزیر و مشیر ہلاکو کے باہمی مشورہ سے عمل میں آیا۔ اس ڈرامہ جس کے فنکار اور ہدایت کار بھی دونوں شیعہ زعماء تھے، کا ڈراپ سین ابن خلدون اور تاج الدین السبکی رح کے الفاظ میں یوں دکھایا گیا ہے:۔

"ابن علقمی کے انتقام کی آگ سقوط بغداد اور مسلمانوں کے قتلِ عام سے نہ بجھی آخر میں اس نے خلیفہ، اس کے تمام امراء و رؤسا اور علماء کو اس یقین دہانی کے ساتھ کہ ان کو کسی قسم کا گزند نہ پہنچیگا، صلحنامہ مرتب کرنے کے بہانے ہلاکو کے پاس چلنے کا مشورہ دیا ساتھ ہی مستعصم کو یہ بھی باور کرایا کہ اسے خلافت پر قائم رہنے کی اجازت مل جائے گی۔ اور ہلاکو اپنی بیٹی کی شادی اس (خلیفہ) کے بیٹے ابوبکر کے ساتھ کر دے گا لیکن یہ محض ایک چال تھی جسے ابن علقمی اور طوسی نے ملکر تیار کیا تھا۔ پس اس طرح تمام امراء و علماء کو ہلاکو کے سامنے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اور نصیر الدین طوسی کے مشورہ پر خلیفہ مستعصم کو بوری میں بند کر کے اس بری طرح زد و کوب کیا گیا کہ اس کی جان قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔" (ابن خلدون مقدمہ ج ۳۔ شیخ تاج الدین سبکی طبقات الشافعیہ ج ۵)

مذکورہ بالا تاریخی اقتباسات، عہد وسطیٰ میں اسلام کو ختم کرنے کے عمل کی محض چند جھلکیاں ہیں جن سے ان رونگٹے کھڑے کر دینے والی سفاکانہ اذیتناک اموات دس لاکھ مسلمانوں کے بہیمانہ قتلِ عام کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ یہ ہے روداد اس مرکزِ اسلام کی جو اپنی تمامتر تہذیبی و تمدنی عروج اور شہرت کے ساتھ اغیار کے ہاتھوں ظلمات کا

نسکار ہوگیا۔ دنیا کو علم اور فن کی روشنی بخشنے والے علماء اور طبعی علوم و فنون کے ہزاروں جلیل القدر اساتذہ کی شمع ہستی کو بجھا کر موت کی تاریکیوں میں گم کر دیا گیا تھا۔ اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ سیاسی شیعیت آغاز ہی سے اسلام اور اہلیانِ اسلام کے خلاف سازش، غداری اور فریب دہی کی ایک تخریبی تحریک سے زیادہ کچھ نہ تھی۔

پہلی صدی ہجری اور ساتویں صدی ہجری کے اسلامی دور کے دو اہم اور تاریخ ساز واقعات کے تجزیہ کے بعد آئیے اب ذرا چودھویں صدی ہجری میں شیعی سازش سے وقوع پذیر ہونے والے المیہ کا جائزہ لیں اور اس کی روشنی میں موجودہ دور کے شیعی فتنہ کے مضمرات کا اندازہ لگا کر آئندہ اس کے سدباب کا جتن کریں۔

www.KitaboSunnat.com

عہدِ حاضر کا اسلام (چودھویں صدی ہجری)

جیسا کہ سب کو علم ہے پاکستان ۱۹۴۷ء بمطابق ۱۳۶۶ھ میں ایک نظریاتی اور سب سے بڑی اسلامی ریاست کی حیثیت سے عالمِ وجود میں آیا۔ اس مملکت کے دو بازو، مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان تھے جو جغرافیائی اعتبار سے ایک دوسرے سے الگ تھلگ تھے۔ ان کے درمیان ہزار میل سے زیادہ طویل علاقے پر ہندوستان کا اقتدار تھا۔ پاکستان کے اس عجیب و غریب محل وقوع کے علاوہ دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ سابقہ پاکستان کے مشرقی بازو میں شیعہ آبادی نہ ہونے کے برابر تھی جب کہ ان کی تمام تر دو فیصد آبادی مغربی پاکستان ہی میں سکونت پذیر تھی۔ اس اہم نکتہ کو ذہن میں رکھ کر اس بات کا اندازہ کرنا آسان ہوگا کہ وہ کون سے عوامل تھے جن کے باعث ۱۹۷۱ء میں دنیا کی سب سے بڑی اسلامی ریاست دولخت ہوگئی اور اسلامی ریاست کے مشرقی بازو کو سازشیوں نے خانہ جنگی اور خون خرابہ کے بعد زبردستی ایک الگ ریاست (بنگلہ دیش)

میں تبدیل کر دیا۔ پاکستان کے مشرقی بازو میں لاکھوں مسلمانوں کا ناحق خون بہانے اور پاکستان کو دو لخت کرنے کے بعد پاکستان صرف "مغربی پاکستان" تک محدود رہ گیا۔ اس طرح جہاں پاکستان میں مسلم آبادی نصف سے بھی کم ہو کر رہ گئی، وہیں شیعہ آبادی جوں کی توں رہی۔ پاکستان کو نصف کر کے اس علاقہ تک محدود کر دیا گیا جس کی مغربی سرحدیں ایران سے ملتی ہیں تاکہ آئندہ وقت کی موافقت، ریشہ دوانیوں اور شکست و ریخت کے سازشی عمل کے ذریعہ اس کا الحاق شیعہ مملکت ایران سے ممکن بنایا جا سکے۔

دوسری جانب مشرقی پاکستان کا نام بنگلہ دیش رکھ کر ہندو انڈیا کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا۔ اس طرح سیاسی فعال شیعیت نے ایک ہی ضرب سے سب سے بڑی اسلامی مملکت کو توڑنے اور اس کی شکل اور اہمیت کو مٹانے کا دوہرا مقصد حاصل کر لیا۔ اور ایرانِ عظمیٰ کی تکمیل کے روشن امکانات پیدا کر دیئے گئے۔ ایسے لوگوں کی بڑی تعداد اب بھی ہمارے درمیان موجود ہے جو ۱۹۴۷ء تا ۱۹۷۱ء کے پاکستان میں ہونے والی مکروہ سازشوں کے عینی شاہد ہیں۔ ذیل میں ان چند نمایاں عناصر اور عوامل کا ذکر کیا گیا ہے جس سے پاکستانی المیہ کے پس منظر کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور سبق حاصل کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ پاکستان ۱۹۴۷ء میں عالمِ وجود میں آیا۔ اور ۱۹۴۹ء میں قومی آئین ساز اسمبلی نے تاریخی اہمیت کی "قراردادِ مقاصد" کی منظوری دی۔ جس کی رُو سے دنیا کی سب سے بڑی اسلامی ریاست میں اسلامی دستور مرتب کرنے کے لئے بنیادی اصولوں کی نشاندہی کی گئی تھی۔ قراردادِ مقاصد کی منظوری جہاں ایک طرف مسلمانانِ اسلام کے لئے باعثِ مسرت و اطمینان تھی، دوسری طرف پاکستان کے مخالفین اور اسلام دشمن عناصر کے لئے سوہانِ روح تھی۔ یہ عناصر اس طرح جو کچھ حاصل کیا گیا تھا، اسے ختم کرنے کی تدبیریں سوچنے لگے۔

۲۔ ۱۹۵۴ء کے نصف تک قومی دستور ساز اسمبلی نے قراردادِ مقاصد کی بنیاد پر قائم ہونے والے دستور کا مسودہ (ڈرافٹ) ملک کے اعلیٰ مرتبت علماء کرام کی تجاویز کی روشنی میں

منظور کرلیا۔ ساتھ ہی نئے اسلامی دستور کے نفاذ کے لئے ۲۵ دسمبر ۱۹۵۴ء کی تاریخ کا بھی اعلان کردیا گیا۔ لیکن پیشتر اس کے کہ وہ مبارک دن آتا سکندر مرزا جو بدنام زمانہ شیعی گھرانہ مرشد آباد سے تعلق رکھتا تھا اور جس کا شیعوں میں اعلیٰ اور با اثر مقام تھا، اور جوڑ توڑ کے ذریعہ پاکستان کے پالیسی ساز حلقہ میں اہم مقام حاصل کرکے سربراہ مملکت غلام محمد کا رفیق خاص بن گیا تھا، اس نے ایک خفیہ پلان تیار کیا تاکہ اسلامی دستور کو نفاذ کی مقررہ تاریخ (۲۵ دسمبر ۱۹۵۴ء) سے پہلے ہی رد کرادے۔ چنانچہ اس نے سربراہِ مملکت کو باور کرایا کہ اگر اسمبلی نے یہ دستور نافذ کرالیا تو اسے (غلام محمد کو) کسی صورت میں بھی اس قسم کے اسلامی دستور کے تحت صدرِ مملکت نہیں چنا جائے گا۔ (غلام محمد نہ صرف یہ کہ شرابی اور بدکار تھا بلکہ جسمانی طور پر بھی معذور تھا) اسکندر مرزا نے غلام محمد کو اس صورتِ حال سے نکالنے کا راستہ سجھایا جسے غلام محمد (گورنر جنرل) نے قبول کرلیا اور ایک انتہائی سنگین کارروائی کے ذریعہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو سب سے اعلیٰ نمائندہ ادارہ، دستور ساز اسمبلی کو ختم کردیا۔ یہ دن پاکستانی قوم کے لئے یومِ سیاہ بن کر آیا جس سے مملکت کے کل پرزے ہل گئے اور قوم پر یاس و ناامیدی کے سیاہ بادل چھا گئے۔

دستور ۱۹۵۴ء کی غیر قانونی تنسیخ اور اسمبلی کو مجرمانہ طور پر ختم کرنے کے علاوہ گورنر جنرل نے کابینہ بھی توڑ دی۔ اور ایک نئی کابینہ تشکیل دی۔ قابلِ مؤاخذہ مجرم اسکندر مرزا کو جو ان تمام غیر قانونی اور مجرمانہ اقدامات کا محرک تھا، وزارتِ داخلہ کا اہم قلمدان سپرد کیا گیا۔ تاکہ وہ گورنر جنرل کی کرسی کا ایک وفادار کتے کی طرح رکھوالی کرنے کا مجاز ہو سکے

۳۔ مئی ۱۹۵۵ء میں دستور سازی کے لئے ایک نئی دستور ساز اسمبلی تشکیل دی گئی۔ ۱۹۵۵ء کے اواخر میں غلام محمد پر فالج کا شدید حملہ ہوا۔ اسکندر مرزا نے اسے ریٹائر ہونے اور آرام کرنے پر راغب کرلیا اور جونہی غلام محمد ریٹائر ہوا اس کا یہ رکھوالا کتا بلا کسی رکاوٹ کے ایوانِ مملکت میں گھس کر سربراہ کی کرسی سنبھال بیٹھا۔ مرزا نے اس کے

بعد اپنی تمامتر جستجو اور کاوش دستور ساز اسمبلی نے نئے دستور پر مذاکرات اور رائے مشورہ پر صرف کر دی۔ مرزا نے ارکان اسمبلی کو ۱۹۵۴ء کے اسلامی طرز کے دستور سے یکسر انحراف کرنے پر آمادہ کرنے کی کوششیں جاری رکھیں لیکن زبردست عوامی دباؤ کی بنا پر ارکانِ اسمبلی کے لئے ایک لادینی دستور بنانے میں مرزا کی خواہشات کے سامنے جھکنا ممکن نہ رہا۔ چنانچہ ایک مصالحتی فارمولا (ارکان اسمبلی بمقابل اسکندر مرزا) تیار کیا گیا۔ اس طرح گو اسمبلی نے کسی حد تک ایک اسلامی دستور تو تیار کر لیا لیکن اس کی بڑی قیمت ادا کرنی پڑی۔ مصالحتی دستور کی روشنی میں اسکندر مرزا کو صدرِ پاکستان بنانا لازم ہو گیا تھا۔ قسمت کی ستم ظریفی دیکھیے کہ ۱۹۵۶ء کے پہلے اسلامی دستور کے مصالحتی فارمولے کے مطابق اسلامی جمہوریہ پاکستان کا صدر ایک اسلام دشمن اور رند قماش فرد کو مقرر کرنا پڑا۔

۴۔ دستور کے نفاذ کے بعد عوام نے اس کے تحت عام انتخابات کا مطالبہ کیا۔ اسکندر مرزا نے اس سلسلہ میں ہر ممکنہ تاخیر سے کام لیا کیونکہ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ ایک بار انتخابات ہو گئے تو دستور کو استقامت اور پائیداری حاصل ہو جائے گی۔ پھر مسلمان قوم اس کو صدر کی حیثیت سے قبول نہیں کرے گی۔ پھر بھی قوم کے بڑھتے ہوئے دباؤ کے تحت بالآخر اس کو انتخابات کے لئے فروری ۱۹۵۹ء کے شیڈول کا اعلان کرنا پڑا لیکن دل میں اس نے انتخابات نہ کرانے کا تہیہ کر رکھا تھا تاکہ ایک طرف جہاں اسے اسلامی دستور سے چھٹکارہ مل سکے وہیں اپنے سیاسی اقتدار کو دوامی شکل دے سکے۔ لہٰذا ایک تیر سے تین شکار کرنے کی خاطر اسکندر مرزا نے ۸ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو ملک میں مارشل لا نافذ کر دیا اور دستور کو منسوخ کر دیا۔ اسمبلی اور کابینہ کو برخاست کر دیا گیا۔ جنرل ایوب کو اپنا چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر مقرر کیا لیکن مارشل لا لگانے کے صرف ۲۰ دن بعد اس کے رفیق کار جنرل ایوب خان نے ۲۸ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو اسے

صدارت سے ہٹا کر جلا وطن کر دیا۔ چند سال بعد یہ ملک دشمن سازشی لندن میں لقمۂ اجل ہوا لیکن شیعیت اور شیعہ ایران نے اسے عزت بخشی۔ وہ سرکاری اعزاز کے ساتھ ایران میں دفن کیا گیا۔

اپنے ملک بدر ہونے سے پہلے اسکندر مرزا اسلامی مملکت پاکستان کے سیاسی ڈھانچے کو متزلزل کر کے اور اپنے پیچھے دستور منسوخ کرنے اور مارشل لا لگانے کی بری ریت چھوڑ کرنا قابلِ تلافی نقصان پہنچا چکا تھا۔ جس کو نظیر بنا کر صرف دس سال بعد ۱۹۶۹ء میں ایک دوسرے شیعہ یحییٰ خان نے وہی عمل دہرایا جس کا تفصیلی ذکر بعد میں آئے گا جہاں تک اسکندر مرزا کا تعلق ہے وہ تین سال تک ملک کے سیاہ و سپید کا مختارِ کل بنا رہا۔ (اواخر ۱۹۵۵ء تا آخر ۱۹۵۸ء) اس دوران اس نے ملک کو تباہی کے دہانے تک پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اس کے شیطانی کرتوتوں کی ایک مثال وہ جارحانہ اور ظالمانہ اقدام تھا جو اس نے ریاست قلات کے خلاف کیا۔ جہاں مقامی طور پر اسلامی شرعی قوانین کا عملی نفاذ عرصے سے جاری تھا۔ چونکہ اسکندر مرزا کی وفاداریاں ہمسایہ شیعہ ریاست ایران سے وابستہ تھیں اس لئے اس نے اپنے دورانِ اقتدار بلا جواز مذاکرات کے ڈھونگ کے نتیجہ میں بلوچستان کا ۳۰۰۰ (تین ہزار) مربع میل کا سرحدی علاقہ ایران کے حوالے کر دیا۔ درحقیقت اسکندر مرزا کے اس پاکستانی علاقہ ملحقہ ایران کی یکطرفہ سودہ بازی کی دو وجوہات تھیں۔ اول اس طرح سے اسے ایرانِ عظمیٰ کی شیعہ اسکیم کے سلسلہ میں اپنی جانب سے ایک نذرانہ پیش کرنا مقصود تھا۔ دوم یہ کہ اس علاقہ میں تیل نکلنے کے قوی امکانات کی رپورٹ خبر رساں ایجنسیوں نے وہاں کام کرنے والی ایک امریکن ڈرلنگ کمپنی 'ہنٹ انٹرنیشنل پٹرولیم کمپنی' کے توسط سے دی تھی۔ لیکن اچانک وہاں نامعلوم وجوہات کی بنا پر تیل نکالنے کا کام روک دیا گیا تھا۔ واقفِ حال حلقوں نے اس سلسلہ میں چپ سادھ رکھی تھی۔ لیکن صورتِ حال سے اصلیت کا اندازہ بآسانی لگایا جا سکتا ہے

حقیقت یہ تھی کہ امریکہ اور ایران کی ہدایت پر اسکندر مرزا نے پُر اسرار طور پر ڈرلنگ کا کام رکوادیا تھا اور پھر گفت و شنید کا ڈھونگ رچا کر پاکستان کی سرزمین کے اس بے بہا خزانہ کو اپنے ایرانی آقاؤں کو نذر کر کے اپنی شیعیت کا ثبوت دیا۔

مختصر یہ کہ اسکندر مرزا جہاں ملک و قوم کا اولین اور بدترین غدار تھا، وہیں شیعیت اور شیعہ ایران کے لئے اس کی وفاداریاں اور خدمات بے شمار تھیں اور انہیں خدمات کے صلے میں اسے اپنے روحانی مرکز ایران میں سرکاری اعزاز کے ساتھ تدفین کا شرف حاصل ہوا۔

۵۔ اس کے بعد ایوب خان کا دور مادی خوشحالی اور ترقی کا دور ہے لیکن وہ بھی اس عوامی دستور کے نفاذ کے خلاف تھا جسے اسکندر مرزا نے غیر قانونی طور پر منسوخ کر دیا تھا پھر بھی ۱۹۶۸ء کے اواخر میں سیاسی زعماء نے اس پر دباؤ ڈالا کہ وہ ۱۹۶۲ء کے دستور میں اس نہج پر ترمیم کرے کہ وہ ۱۹۵۶ء کے اسلامی جمہوری دستور سے ہم آہنگ ہو سکے۔ بالآخر ایوب خان نے اس تجویز کو قبول کر لیا تھا۔ لیکن پیشتر اس کے کہ وہ اس تجویز کو عملی جامہ پہناتا اس کے معتمد جنرل (چیف آف آرمی) اور افواجِ پاکستان کے سربراہ یحییٰ خان شیعی نے صدر ایوب کو پستول دکھا کر کرسیٔ صدارت چھوڑنے اور اقتدار اس کے حوالے کرنے پر مجبور کر دیا۔ جس طرح پہلے اسکندر مرزا کر چکا تھا۔ اس انداز میں اقتدار چھیننے کے بعد یحییٰ نے انہی خطوط پر عمل کیا جن پر چلکر غلام محمد کے بعد اسکندر مرزا نے مارشل لا نافذ کیا تھا ۱۹۶۹ء میں مارشل لا کے نفاذ کے ساتھ وہ مارشل لا ایڈمنسٹریٹر اور صدرِ مملکت بن بیٹھا اس طرح ایک بار پھر شیعی سازش کا ڈراپ سین ایوانِ صدر میں رچایا گیا اور شیعی مشن جو اسکندر مرزا کے دور میں پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا تھا، اس کے ہاتھوں پورا ہوا۔ اور اس نے اسلامی ریاست پاکستان کو اپنے تین سالہ مختصر دور (۱۹۶۹ء تا ۱۹۷۱ء) میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

یحییٰ خان نے ہر بات سے بے پرواہ ہو کر غیر محتاط انداز میں حکومت کا آغاز کیا۔ دورانِ حکومت اس نے شیعہ مرکز ایران کے بار بار کے نجی دوروں میں اپنے مرتبے اور ملکی وقار کو

بالائے طاق رکھ دیا۔ اس طرح جب وہ اپنے روحانی وطن ایران کے زعماء کی ہدایت پر ایک ایجنٹ کی طرح عمل پیرا تھا۔ مسلمانانِ پاکستان انتخاب کے ذریعہ ایک نمائندہ حکومت کے قیام کا مطالبہ کر رہے تھے۔ آخر کار اندرونی عوامی دباؤ سے مجبور ہو کر یحییٰ خان کو ۱۹۷۰ء کے اواخر تک انتخابات کرانے کا اعلان کرنا پڑا۔ ساتھ ہی منتخب نمائندوں کو ۱۹۷۱ء کے اواخر تک انتقال اقتدار کے شیڈول کا بھی اعلان کر دیا۔ اس دوران اس نے برابر اپنے بیرونی آقاؤں سے رابطہ برقرار رکھا۔ اعلان کے مطابق انتخابات کرا لیے گئے لیکن ۱۹۷۱ء تک انتقالِ اقتدار کا مسئلہ کھٹائی میں ڈال دیا۔ کیونکہ انتخابات کے نتائج اس کی منشاء کے خلاف نکلے تھے اور مجیب الرحمٰن کو اقتدار کی منتقلی کے بجائے اس کی فوجی کارروائیوں کے نتیجہ میں ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو ملک کے دو ٹکڑے کئے جانے کا المناک واقعہ پیش آیا۔ مشرقی پاکستان میں ۱۰ لاکھ مسلمانوں کا خون بہا کر مشرقی پاکستان کو اس نے بنگلہ دیش میں تبدیل کرا کے اس کے حال پر چھوڑ دیا اور ایران سے ملحقہ مغربی پاکستان کو نئے پاکستان کا نام دیکر مطمئن ہو گیا۔ نئے پاکستان کی یہ اصطلاح ذوالفقار علی بھٹو کی ایجاد کردہ تھی جو یحییٰ کے اس المیہ ڈرامہ کا کیریکٹر ایکٹر تھا۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہی بھٹو تھے جنہیں شروع میں اسکندر مرزا نے تلاش کر کے اپنا وزیر مقرر کیا تھا۔ یحییٰ خان کے اس کارہائے نمایاں کے بعد ان کا رول جب ختم ہو گیا تو بھٹو نے اس کا چارج سنبھالا۔ اور ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء کو سویلین مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور نئے پاکستان کا غیر قانونی صدر بن بیٹھا۔

اس عہد کا سب سے بڑا المیہ جس میں ۱۰ لاکھ مسلمانوں کا خون بہایا گیا اور سب سے بڑی اسلامی ریاست کا نصف سے زیادہ حصہ کھو دیا گیا۔ یہ اس مشترکہ سازش کا نتیجہ تھا جسے یحییٰ اور بھٹو نے مل کر تیار کیا تھا۔ جب کہ ان دونوں کا تعلق مغربی پاکستان سے تھا۔ یحییٰ کی شیعہ برادری اور بھٹو کی سیاسی پارٹی دونوں کا وجود مشرقی پاکستان میں نہ ہونے کے برابر تھا جہاں ملک کی ۵۶ فیصد آبادی سکونت پذیر تھی۔ اسی تناسب سے قومی اسمبلی کے منتخب ارکان کا

تعلق ۵۶ فیصد مشرقی پاکستان اور ۴۴ فیصد مغربی پاکستان سے تھا۔ مشرقی پاکستان سے منتخب نمائندوں کی اکثریت کی بنا پر قیادت (لیڈر شپ) مشرقی پاکستان کو جاتی تھی۔ یہ صورت حال نہ تو یحییٰ اور نہ ہی بھٹو کو گوارا تھی کہ حکومت کی باگ ڈور اکثریتی بازو کو جائے۔ کیونکہ اس طرح دونوں کے مشترکہ عزائم اور جداگانہ آرزوؤں کا خون ہوتا تھا۔ اس لئے ان دونوں نے باہمی سازش سے ملک کے مشرقی بازو سے جان چھڑانے کی تدابیر کیں۔ دراصل بھٹو یحییٰ ملی بھگت اور ان کے عزائم و خیالات میں ہم آہنگی کے آثار ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے زمانہ ہی سے نظر آنے لگے تھے جب کہ پاکستان کی شیعہ برادری نے یحییٰ کے اشارے پر اپنے سارے ووٹ دوسرے شیعہ بھٹو کی جھولی میں ڈال دیئے جو سوشلزم کا پرچارک تھا۔ اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ بھٹو اور یحییٰ کے درمیان ایک طرح کا خفیہ معاہدہ انتخابات سے کہیں پہلے طے پا چکا تھا۔

۱۹۷۰ء کے انتخابات محض عوامی دباؤ کو کم کرنے کی خاطر کئے گئے تھے۔ انتخابات کے بعد قومی اسمبلی کا انعقاد، اکثریتی پارٹی کو انتقالِ اقتدار، دستوری تقاضا تھا لیکن اقتدار کے بھوکے یہ دونوں (ایک صدارت کا خواہاں، دوسرا وزارتِ عظمیٰ کا متمنی) یحییٰ اور بھٹو اس صورتِ حال کو کیسے گوارا کرتے کہ ملک کا اقتدار ان کے ہاتھ سے نکل جائے اس کا توڑ تلاش کرنے کے لئے یحییٰ نے تہران اور لاڑکانہ کے چکر لگانے شروع کئے۔ ان نمائشی دوروں سے یحییٰ کا مقصد مجیب الرحمٰن اور اس کی اکثریتی جماعت کو مشتعل اور بدظن کرنا تھا۔ ان دونوں کا اگلا سوچا سمجھا اور مشترکہ قدم جو اس سلسلے میں اٹھایا گیا، تباہ کن ثابت ہوا۔ مجیب الرحمٰن کے مطالبہ پر یحییٰ نے ۳ مارچ ۱۹۷۱ء کو ڈھاکہ میں اسمبلی سیشن بلائے جانے کا اعلان کر دیا لیکن طے شدہ منصوبہ کے تحت بھٹو نے اسمبلی سیشن کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا۔ ساتھ ہی منتخب ارکان اسمبلی کو دھمکی دی کہ

کہ مغربی پاکستان سے شرکت کرنیوالوں کی ہڈی پسلی توڑ دی جائے گی اس موقع پر یحییٰ نے بھٹو کی ہمنوائی کی اور اسمبلی سیشن کے اعلان کردہ شیڈول سے انحراف کرتے ہوئے اُسے غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی کر دیا۔ اس کے اس اقدام نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ اس تازہ اعلان کا ملک، خصوصاً مشرقی پاکستان کے عوام پر انتہائی بُرا اثر پڑا اور قوم کو یحییٰ بھٹو سازش کا یقین ہوگیا اور انہوں نے اس کے خلاف آواز اٹھائی لیکن پانی سر سے گذر چکا تھا۔ اس لئے عوام کی آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی اور کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوسکا۔ مشرقی پاکستان میں اس کے خلاف زبردست احتجاج شروع ہو گیا اور یہی دراصل ان دونوں عوام اور ملک دشمن غداروں کا منصوبہ بھی تھا۔ مشرقی پاکستان میں حکومت کے خلاف ان عوامی مظاہروں اور احتجاج کو بہانہ بنا کر یحییٰ نے ۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء کو فوجی کارروائی کا اعلان کر دیا۔ مجیب الرحمٰن کو گرفتار کر لیا گیا۔ ظاہر ہے کہ یہ دیدہ و دانستہ انتہائی قدم اس لئے اٹھایا گیا کہ یقینی ناکام فوجی کارروائی کے نتیجے میں مشرقی پاکستان کو کھو بیٹھا جائے۔ فوجی کارروائی کی ناکامی اس لئے یقینی تھی کہ مشرقی پاکستان کی سرحدیں تین اطراف سے بھارت سے ملتی تھیں۔ چوتھی طرف خلیج بنگال میں بھارتی بحری بیڑے کا کنٹرول تھا۔ دوسرے یہ کہ مشرقی بازو مغربی پاکستان کے فوجی ہیڈکوارٹر سے کوئی ۱۲۰۰ میل دور واقع تھا اور یہ کہ کروڑوں عوام کے خلاف جنگی کارروائی کی کامیابی قطعی ناممکن تھی۔ یحییٰ فوجی ہونے کے ناطے ان تمام کمزوریوں اور عوامل سے پوری طرح آگاہ تھا۔ باوجود اس کے یہ نامناسب فوجی کارروائی اس نے جان بوجھ کر کی تاکہ ناکام لڑائیوں اور فوجی کارروائیوں سے اسلامی مملکت کے مشرقی حصہ سے چھٹکارا حاصل کیا جاسکے۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ بھٹو وہ واحد شخص تھا جس نے فوجی کارروائی کو صحیح قدم قرار دیا اور یحییٰ کو مشرقی بازو پر فوجی کارروائی کے لئے کھلے بندوں خراجِ تحسین پیش کیا۔ بھٹو نے فوجی کارروائی کو سراہتے ہوئے یہ یاوہ گوئی کی کہ شکر ہے

کہ ملک بچ گیا۔"

فوجی کارروائی کے دوران قوم پر مایوسی اور غم کے جو بادل چھائے ہوئے تھے اس سے بے نیاز ہو کر یحییٰ نے "یوم سائرس" (ایرانی شہنشاہیت کی ڈھائی ہزار سالہ تقریب منانے کے سلسلے میں ۱۵ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو قومی سطح پر تعطیل کا اعلان کیا۔ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ ایران اور اسرائیل نے بھی اسی تاریخ کو یوم سائرس سرکاری طور پر منایا تھا۔ یحییٰ نے یہ ایرانی اسرائیلی تقریب اسی دن پاکستان میں بھی منائی اور بذاتِ خود مرکزی سائرس تقریب میں شرکت کے لئے تہران گیا۔ تہران سے واپسی پر اس نے مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی تیز کر دی۔ دوسری طرف بھارت نے یہ سمجھتے ہوئے کہ یحییٰ اس دور افتادہ صوبہ میں جہاں وہ خود اپنے ہموطنوں سے دست گریباں ہے زیادہ عرصہ تک اپنی گرفت قائم نہ رکھ سکے گا موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مشرقی پاکستان میں پاکستانی سپاہ سے ٹکراؤ کا فیصلہ کیا۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھا جائے کہ جب یحییٰ نے مشرقی پاکستان پر خطرات کے دروازے کھول دیئے تو گویا بھارت کے لئے حملہ کرنے کی راہ ہموار کر دی۔ بھارت نے مشرقی پاکستان پر حملہ کر دیا اور جیسا کہ اندیشہ تھا اپنی مشرقی سرحد پر بھارت کا فوجی اقدام صرف چند دن کی بات ثابت ہوئی اور ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو یحییٰ کی افواج نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس طرح یحییٰ بھٹو سازش سے اسلامی جمہوریہ پاکستان کا مشرقی بازو ۱۰ لاکھ مسلمانوں کے قتلِ عام کے بعد بنگلہ دیش میں تبدیل ہو گیا یہ کہنا درست ہے کہ یحییٰ نے مشرقی پاکستان میں وہی رول ادا کیا جو اس سے پہلے اس کے شیعہ مورثِ اعلیٰ جعفر نے سراج الدولہ کے بنگال کے خلاف کیا تھا۔

۹۔ ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو سقوطِ ڈھاکہ کے بعد شاطر یحییٰ نے غیر قانونی طور پر مغربی پاکستان کا اقتدار ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء کو اپنے رفیق کار بھٹو کے حوالے کر دیا بھٹو نے جو سول مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور صدر (نئے پاکستان) کی حیثیت سے کرسی اقتدار پر براجمان ہو گئے۔ ملک کے

حالات کے اس تیزی سے بدلنے پر عوام ششدر اور حواس باختہ ہو چکے تھے شاہ ایران نے اس انتشار اور ابتری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے پاکستان کے اندرونی معاملات میں اپنی تقریروں اور بیانات کے ذریعہ بے جا مداخلت شروع کر دی۔ صدمات اور مشکلات کے ان تابڑ توڑ حملوں کے دوران بھٹو کے اس حیرت انگیز رویہ پر قوم بھونچکی رہ گئی جب اس نے ایران کو برملا پاکستان کا برادر کبیر کہہ کر شاہ ایران کی مدح سرائی شروع کر دی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ بھٹو نے بلوچستان میں فوجیں بھیجنا شروع کر دیں اور جب وہاں بھی مشرقی پاکستان کی طرز پر فوجی کارروائی کا آغاز کیا تو عوام کی آنکھیں کھلیں اور انہیں اندازہ ہو گیا کہ بھٹو صرف اقتدار کا بھوکا نہیں بلکہ دراصل کسی بیرونی طاقت کا آلہ کار ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ابتدا ہی سے وہ تحریک شیعیت کا آلہ کار تھا اور شیعیت کی منصوبہ بندی میں وہ یحییٰ کے نقش قدم پر گامزن تھا مشرقی پاکستان کی طرح وہ بلوچستان کو بھی اغیار کے لئے نقمۂ تر بنانے میں کوشاں رہا! ادھر شاہ ایران نے اعلان کیا کہ بلوچستان میں یہی حالات رہے تو وہ اس پر قبضہ کر کے ایرانی قلمرو میں شامل کر لیگا۔ لیکن خوش قسمتی سے ایران کے اپنے اندرونی حالات ناسازگار ہو گئے اور بلوچستان دشمن کے چنگل سے بچ گیا۔ بلوچستان کے غیور اور جیالے عوام سخت جان نکلے اور بھٹو کے پھیلائے ہوئے جال کو توڑنے میں کامیاب ہو گئے اور ایران عظمیٰ کا خواب اس صوبہ میں شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ بحمد اللہ ایران کا ایجنٹ بھٹو اپنے کیفر کردار کو پہنچا اور پاکستان کی باگ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو ایک مخلص مسلمان جنرل ضیاء الحق کے محفوظ ہاتھوں میں آگئی اور ملکی حالات سدھر گئے۔ بحمد اللہ یہ صحتمند صورت حال اب تک برقرار ہے اور صدر ضیاء الحق، یحییٰ اور بھٹو کے چھوڑے ہوئے ویرانوں کو آباد کرنے میں اپنی پوری صلاحیتیں، خلوص اور تدبر کو بروئے کار لا کر ملک کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے میں کوشاں ہیں۔ آج بھی دنیائے اسلام کی سب سے بڑی مملکت کے اس عظیم المیہ کی دلسوز یاد دردمند دلوں میں کسک پیدا کرتی رہتی ہے جسے چودھویں صدی کے اواخر (۱۹۷۱ء) میں شیعی

سازش نے پارہ پارہ کر دیا تھا۔

(ذ) زیرِ مطالعہ تجزیہ کا ماحصل

سیاسی شیعیت کا جو جائزہ گذشتہ صفحات میں لیا گیا اس سے مندرجہ ذیل معلومات حاصل ہوئیں:-

۱۔ شیعہ مسلک کے متعلق امام مالکؒ ورامام ابن تیمیہؒ جیسے جلیل القدر علمائے کرام کی آرار کی صداقت اسلامی تاریخ میں فعال شیعیت کے کردار سے واضح ہو جاتی ہے۔

۲۔ مختلف ادوار میں اسلام کے خلاف جو ہنگامی حالات اور ایسے رونما ہوئے ان کی یکساں نوعیت سے شیعہ تحریک کے منصوبوں میں ہم آہنگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ گذشتہ چودہ صدیوں کے طویل اسلامی دور میں شیعی قیادت کا خاصہ، کردار اور کارروائیاں تواتر سے ایک ہی نوعیت کی رہی ہیں گو مختلف ادوار میں ان کے چہرے اور نام تبدیل ہوتے رہے۔ جیسے پہلی صدی ہجری میں عبداللہ بن سبا، ساتویں صدی ہجری میں ابن علقمی اور طوسی، چودہویں صدی ہجری میں اسکندر مرزا، آغا یحییٰ اور موجودہ صدی میں خمینی۔ ابتدا ہی سے شیعیت کا اولین مقصد اور عزم (اسلامی لبادہ اوڑھ کر) دنیائے اسلام کو نقصان پہنچانا رہا ہے۔ بالفاظِ دیگر شیعیت شروع دن سے اسلام کی دشمن اور مسلمانوں کی آستین کا سانپ بنی رہی ہے۔

۳۔ شیعیت کا تصور اور فلسفہ ایک یہودی دماغ کی اُپج ہے اور اسی نے اس تصور کو عملی جامہ پہنایا۔ اس طرح گویا شیعیت نے یہودیت کی کوکھ سے جنم لیا۔ اس لئے جہاں تک اسلام دشمنی کا تعلق ہے، یہودیت اور شیعیت کبھی متفق ہو کر اور کبھی صرف ایک دوسرے کی اعانت کے ذریعہ اُمتِ مسلمہ کے خلاف کارروائیاں کرتے رہے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہودیت اسلام کی کھلی دشمن ہے جبکہ شیعیت منافقانہ روش اپنا کر

ہماری صفوں میں رہ کر اسلام کی جڑوں کو دیمک کی طرح چاٹتی رہی ہے۔

۴۔ اپنے قدیمی اور نسبی رشتوں کی بنا پر یہودی اور شیعہ باہمی اشتراک سے مملکت اسرائیل اور ایران کو وسعت دے کر ایرانِ عظمیٰ اور اسرائیل عظمیٰ کے لئے عمل پیرا ہیں۔ اس مقصد کے حصول کے سلسلے میں مشرقِ وسطیٰ کے مسلم ممالک کے خلاف دونوں ممالک کے درمیان مکمل یک جہتی ہم آہنگی اور اتحاد پایا جاتا ہے۔

۵۔ سطور بالا میں بیان کردہ حقائق کے پسِ منظر میں شیعی افکار و عقائد کو پرکھنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ تاکہ امتِ مسلمہ کے خلاف صیہونی اور شیعی عزائم اور منصوبوں میں خفیہ گٹھ جوڑ اور یکسانیت کا ادراک ممکن ہو سکے۔

باب دوم

شیعہ مسلک' عقائد اور نظریات

شیعیت کے بنیادی عقائد کو سمجھنے کے لئے یہاں دو مستند ذریعوں کو منتخب کیا گیا ہے جن پر ہر شیعہ کا ایمان ہے :-

(ا) الکافی

یہ شیعہ ائمہ اطہار کی 'احادیث' کا انتہائی مستند مجموعہ ہے۔ جسے ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی ایرانی (۳۲۹ھ تا ۳۵۰ھ) نے ترتیب دیا۔ شیعہ دنیا میں کلینی کی 'الکافی' کو قابلِ قدر سند کا اولین مقام حاصل رہا ہے۔ آیت اللہ الشیخ محمد باقر القمری نے اس کا فارسی ترجمہ بمع شرح و تفسیر کیا۔ جو ۱۳۸۱ھ میں تہران سے شائع ہوئی۔

(ب) قرآن پاک

انگریزی ترجمہ اہل البیت کی روایات کی روشنی میں کی گئی تفاسیر کے ساتھ۔ جو ایس وی۔میر علی احمد پویا نے شیعہ عالم آیت اللہ میرزا مہدی پویا یزدی کے لکھے گئے حاشیوں کے ساتھ ۱۹۶۴ء میں کراچی (پاکستان) میں چھپ کر شائع ہوا۔

یہاں انہی دو مستند اور معتبر شیعہ کتب (کلینی کی کافی اور شیعہ قرآن) سے اقتباسات لے گئے ہیں۔

گذشتہ باب میں تحریک (فعال) شیعیت کے سلسلہ میں حقائق پر روشنی ڈالی گئی تھی جس کا خالق اور بانی عبداللہ بن سبا یہودی منافق تھا۔ لہٰذا قدرتی امر ہے کہ

شیعی افکار و عقائد کا ڈھانچہ صیہونیت کے خطوط پر استوار ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ صیہونیت اور شیعیت کے خد و خال میں بڑی مماثلت ہے۔ صیہونیت اور شیعیت میں مناسبت اور یکسانیت کی بنا پر ضروری ہے کہ اسرائیل، بنی اسرائیل، صیہونیت اور بیت المقدس (یروشلم) کی اصطلاحات کے صحیح پس منظر کو سمجھا جائے۔

معلوم ہو کہ حضرت ابراہیمؑ کے پوتے حضرت یعقوبؑ کا لقب اسرائیل ہے اور حضرت ابراہیمؑ کی نسل میں نبوت کا سلسلہ آخری نبی برحق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک حسب ذیل ہے :-

امام الانبیاء حضرت ابراہیمؑ
- پہلی بیوی حضرت ہاجرہؓ ــ انبیاء :- حضرت اسمٰعیلؑ۔ حضرت محمدؐ۔
- دوسری بیوی حضرت سارہؓ۔ انبیاء :- اسحاقؑ۔ یعقوب (اسرائیل) موسیٰؑ۔ ہارونؑ۔ داؤدؑ۔ سلیمانؑ۔ یحییٰؑ۔ عیسیٰؑ۔

حضرت یعقوب (اسرائیل) کے بشمول حضرت یوسفؑ بارہ فرزند تھے۔ حضرت یعقوب کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔ حضرت یعقوبؑ کے چوتھے فرزند کا نام یہودہ (JUDA) تھا یہودیوں نے یہودہ کی نسبت سے یہودیت کی بنیاد ڈالی۔ بنی اسرائیل کے نبی اور حکمران (بادشاہ) حضرت داؤد نے یروشلم میں عبادت کے لئے ایک عبادتگاہ (ہیکل) تعمیر کرائی تھی جو زیون (ZION) کی پہاڑی پر تھی۔ اس پہاڑی کی مناسبت سے یہودیوں نے صیہونیت (ZIONISM) کی اصطلاح کو اپنایا۔ لیکن نہ تو یہودیت اور نہ ہی صیہونیت کا حضرت یعقوبؑ (اسرائیل) کی تعلیمات سے کبھی کوئی واسطہ رہا۔ حضرت سلیمانؑ (نبی اور بادشاہ) نے یروشلم کا شہر آباد کرایا اور اسے بنی اسرائیل کا مرکز بنایا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہودی یروشلم پر بلاشرکت غیرے اپنا حق جتاتے ہیں۔

اسرائیل، بنی اسرائیل، یہودیت اور صیہونیت کے اس مختصر تعارف کے پس منظر میں حسب ذیل شیعہ بنیادی عقائد کی غرض و غایت کا سمجھنا آسان ہوگا۔

۱۔ خلافت کا عین اسلامی عقیدہ جس کا عملی نفاذ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد مدینہ منورہ میں ہوا، نظام مملکت کو اسلامی خطوط پر چلانے کے لئے ضروری تھا۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے احکامات الٰہیہ اور سنت نبوی ﷺ کی اتباع میں اپنا فرض احسن طریقہ سے پورا کیا۔ اس کے خلاف عبداللہ بن سبا نے فلسفہ امامت اختراع کیا۔ اس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پہلے امام ہونے کا دعویٰ کیا۔ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو عقیدۃً اس کے قائل تھے اور نہ ہی شیعہ 'امام' ہونے کا دعویٰ کرتے تھے اس لئے انہوں نے سبائی گروہ کے یکطرفہ دعوے اور ناجائز انتفاع کی پر زور تردید اور مذمت کی۔ بہر حال شیعیت میں امامت پر ایمان ایک بنیادی عقیدہ کی حیثیت رکھتا ہے اور فلسفہ شیعیت کی اساس اور اصل الاصول ہے جیسا کہ " امام رضا نے فرمایا"

" لوگوں کو ہدایت اور احکام کے لئے ہمارے اقتدار اعلیٰ کے سامنے ایک وفا شعار غلام کی حیثیت میں جھکنا ہوگا۔" (کافی کلینی۔کتاب الحجۃ۔باب ۸)

' امام جعفر نے فرمایا' :۔

" جن کا عقیدہ ہماری امامت پر ہے وہی مومن (ایمان والے مسلمان) ہیں اور جو اس سے انحراف کرے وہ کافر ہے۔" (کافی کلینی۔کتاب الحجۃ۔باب ۹)

"امام حاضر" آیت اللہ خمینی کا عقیدہ

"امام خمینی" نے فرمایا :۔

" ہمارے مذہب کا بنیادی اساسی عقیدہ ہے کہ ہمارے امام اس مرتبہ ومقام کے مالک ہیں جن تک کوئی فرشتہ مقرب اور نبی مرسل نہیں پہنچ سکتا"

(الحکومۃ الاسلامیہ صفحہ ۳۵)

اس طرح یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی کہ شیعی تصور نے خلافت کے مسلمہ، مروجہ اور

مصدقہ اسلامی ادارہ کی جگہ 'امامت' کا ایک متوازی اور متضاد تصور پیش کیا پھر تمام اہلِ اسلام بشمول صحابہ کرام رضؓ اور امہات المومنین رضؓ کو کافر گردانا ۔ بالفاظِ دیگر یوں سمجھ لیں کہ شیعیت نے دینِ اسلام کو کفر سمجھ کر رد کر دیا اور اپنے مذہب کی اساس امامت پر رکھی ۔

شیعہ مسلک کے بنیادی عقیدۂ امامت کی جڑیں بنی اسرائیل کی قدیم تاریخ سے جا ملتی ہیں ۔ اول یہ کہ حضرت اسرائیل (یعقوبؑ) کو جن کے بارہ فرزند تھے، انتہائی ہرفت سے "امام اول" (حضرت علیؓ) سے مربوط کر دیا ہے ۔

"علی (امام اول) نے اپنے بارہ فرزندوں سے فرمایا" اللہ چاہتا ہے کہ میں حضرت یعقوبؑ (اسرائیل) کی سنت کا پھر سے احیاء کروں"

(کافی کلینی ۔ کتاب الحجۃ ۔ باب ۶۳)

دوئم یہ کہ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے جن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ایک معتمد (امام) ہر قبیلہ کا سردار ہوتا تھا" (القرآن ۔ آیت ۵ ۔ ۱۲) نے ان اسرائیلی سرداروں کو 'نقیب' (راہبر) کا نام دیا ہے ۔ پس شیعی عقیدہ میں بارہ اماموں کا نظریہ بنی اسرائیل کے بارہ نقیبوں سے اخذ کیا گیا ہے کیونکہ امام اور نقیب کا مفہوم ایک ہے ۔ اور راہبر یا رئیس کے لئے مستعمل ہو رہا ہے اور چونکہ بنی اسرائیل کے ان بارہ نقیبوں کا تعین اللہ تعالےٰ نے فرمایا تھا اس لئے شیعہ مسلک میں بھی بارہ اماموں کی نامزدگی اور تقرری اللہ تعالےٰ پر واجب گردانی گئی ہے کیونکہ بقول شیعہ رئیس عام کا مقرر کرنا اللہ کے ذمہ واجب ہے ۔ (شیعہ قرآن صـ ۱۴۶ اور صـ ۱۵۲)

امامت کا تصور بنی اسرائیل سے اخذ کر کے اور امام کی نامزدگی اللہ کی طرف سے واجب قرار دینے کے بعد شیعیت نے دو قدم آگے بڑھ کر امام کے مرتبہ کو بڑھا کر پہلے

تو نبیوں کے برابر کیا۔ پھر اماموں کے مقام کو ترقی دے کر انبیاء ورسل سے بڑھا دیا۔
یہ تدریجی عمل اس طرح ہوا۔

(۱) امام معصوم کا رتبہ بڑھا کر نبیوں اور رسولوں کے برابر کرنا۔

"عصمت یا معصومیت" امامت کے لئے شرطِ اول ہے۔

"امامت یا رہبری کے لئے اللہ کے وعدہ کے مطابق امام کی معصومیت (عصمت) اس کا تقویٰ اور گناہ سے پاکی شرطِ اول ہے۔ یعنی ایک امام کا معصوم ہونا ضروری ہے، گویا ایک معصوم ہی امام ہو سکتا ہے۔"

"عصمت یا گناہ سے برئیت جو امامت کے لئے درکار ہے، اس سے ہر صغیرہ و کبیرہ، پوشیدہ و ظاہر گناہ سے برئیت مقصود ہے۔" (شیعہ قرآن ص۱۵)

(۲) امام معصوم کا رتبہ و مقام رسولوں سے بڑھانا۔

"ہمارے آخری امام پر اللہ کی طرف سے وحی کا نزول ہو گا۔ امام اس آسمانی کتاب کے علوم کی تفسیر و تاویل کرے گا کریگا۔ اس طرح کے الہامی انکشافات کسی نبی یا رسول پر اس سے پیشتر نہیں نازل کئے گئے ہوں گے" (کافی کلینی۔ کتاب الحجۃ۔ باب ۱۱۸)

"اس سے یہ بات آشکارا ہوئی کہ نبی یا پیغمبر مقرر کئے جانے کے لئے لازم نہیں کہ وہ امامت کا بھی مقام رکھتا ہو۔ کیونکہ امامت ایک ایسا منصب ہے، جو کسی رسول یا نبی کو کڑی آزمائش کے بعد ہی تفویض کیا جا سکتا ہے (شیعہ قرآن ص۱۵)

شیعی فلسفۂ امامت کی روشنی میں امام کا مرتبہ یقیناً رسل سے افضل ہے جس میں کوئی استثنیٰ نہیں۔ امامت کے بارے میں اس قدر واضح شیعہ عقیدہ مطلقاً غیر اسلامی ہی نہیں بلکہ خلافِ اسلام ہے۔ مختصراً شیعیت کا اولین اساسی عقیدہ امامت پر ایمان لانا ہے جو بنی اسرائیل کے طریق سے ماخوذ ہے۔ اس لئے اسلام دشمن نظریہ ہے۔

۲- امامِ آخر الزمان پر ایمان ـ شیعی عقیدہ

شیعیت کا ایک دوسرا اہم عقیدہ امامِ آخر الزمان پر ایمان لانا ہے جس کے بارے میں یہ دعویٰ ہے کہ قیامت سے پہلے دنیا کا نجات دہندہ ہو گا۔ امامِ منتظر (بقولِ شیعہ) آلِ داؤد کی سنت کو لے کر دنیا پر حکومت کریگا۔

"محمد المہدی، پیدائش ۱۵ شعبان ۲۵۶ھ۔ بارہویں اور آخری امام سُرَّ مَن رَاٰی کے غار میں روپوش ہو گئے ہیں، ان کا دوبارہ ظہور حشر کے قبل ہو گا۔" (شیعہ قرآن صفحہ ۹)

"محمد المہدی (گیارہویں امام کے فرزند) اللہ کی رضا سے زندہ ہیں وہ مہدی (ہدایت دینے والے) آخر الزماں ہیں جو حشر تک اللہ کی مخلوق کی رہنمائی فرمائیں گے۔" (شیعہ قرآن صفحہ ۱۵۳)

"جب تک امام ظاہر ہو کر آلِ داؤد کی سنت کے مطابق حکومت نہ کر لے دنیا ختم نہ ہو گی۔"

"بارہواں امام دوبارہ ظاہر ہو کر دنیا پر آلِ داؤد کی سی عقل و فراست اور طور طریق کے ساتھ حکومت کرے گا۔" (کافی کلینی۔ کتاب الحجۃ باب ۹۵)

امامِ منتظر کے ظاہر ہونے اور دنیا پر آلِ داؤد کی سنت کے مطابق حکومت کرنے کا شیعی عقیدہ بھی یہودیوں سے لیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ جب حضرت سلیمان بن داؤد (نبی اور بادشاہ) کے بعد یہودی دینی اور دنیوی دولت سے محروم ہو گئے تو بعد میں آنے والے اسرائیلی انبیاء نے اپنی قوم کو ایک مسیح کی بعثت کی یقین دہانی کرائی جو ان کو اس زبوں حالی سے نجات دلائے گا۔ لیکن جونہی مسیح موعود (حضرت عیسیٰ بن مریم) کا ظہور ہوا یہودیوں نے اس بنا پر ان کو ماننے سے انکار کر دیا کہ وہ (عیسیٰؑ) حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ کی طرح سیاسی اقتدار کے حامل

(بادشاہ) نہ تھے۔ آخر کار یہودیوں نے سازش سے انہیں ختم کرنے کا بندوبست کر لیا۔
وہ دن اور آج کا دن یہودی قوم اپنے مسیحِ موعود کا انتظار کر رہی ہے جو بقول ان کے ایک طاقتور دنیوی بادشاہ ہوگا۔ ان کا اعتقاد ہے کہ صرف سیاسی طاقت کا حامل مسیح ہی بزورِ قوت دریائے نیل و فرات کے درمیان پھیلے ہوئے وسیع علاقہ پر قبضہ کرکے یہودیوں کی ایک وسیع اور مضبوط سلطنت قائم کرے گا۔ جہاں سے ساری دنیا پر حکومت کی جا سکے گی۔

صیہونیت کے معتمد بزرگ علماء (ELDERS) کے مقدس صحیفے (باب ۲۴) میں اس بات کی واضح پیشین گوئی درج ہے کہ یہودیوں کا حکمران (مسیح) داؤد کی نسل سے ہوگا اور وہ موروثِ اعلیٰ کی شہنشاہیت اور اقتدار کی جڑیں ایک بار پھر دنیا کے انتہائی دور افتادہ علاقوں تک پھیلا کر سلطنتِ اسرائیل کو استحکام بخشے گا۔

دوسرے الفاظ میں یوں سمجھا جائے کہ یہودی اور شیعہ دونوں اپنے منتظر نجات دہندہ کا ذکر ایک ہی الفاظ میں کرتے ہیں۔ اور اس ضمن میں یہودیوں اور شیعوں دونوں کا عقیدہ ہے کہ وہ دنیا پر آلِ داؤد (بنی اسرائیل اور یہودی قوم) کی طرز پر حکمرانی کریں گے۔

اسلامی نقطۂ نظر کا اس سلسلہ میں جاننا برمحل ہے۔ نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ ایک یہودی نجات دہندہ اسی قوم کے مسیح موعود کی حیثیت سے ظاہر ہوگا لیکن وہ درحقیقت المسیح الدجال (جعلی مسیح) ہوگا جو اصل مسیح (عیسیٰ بن مریمؑ) کے ہاتھوں مارا جائے گا جنہیں اللہ تعالیٰ اسی مقصد کے لئے دوبارہ ظاہر فرمائیں گے۔ رسولِ خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کے مطابق انجام کار دنیا سے تمام باطل مسالک اور عقائد (بلاشبہ یہودی ازم اور شیعہ ازم) مردود و معدوم ہو جائیں گے اور اسلام کا بول بالا ہوگا۔ اور یہی دین ساری دنیا پر غلبہ پا جائے گا۔

معلوم ہوا کہ شیعیت کا دوسرا اہم عقیدہ امام غائب کا ظہور اور یہ کہ امام مہدی نجات دہندہ بن کر آئے گا اور امام آخرالزماں ہوگا، یہ بھی خالصتاً ایک غیر اسلامی اور صہیونی عقیدہ ہے۔

۳- شیعہ ائمہ کا ورثہ ۔ بنی اسرائیل کے انبیاء کے نوادرات

امام منتظر کے شیعی عقیدہ کی مسیح موعود صہیونی عقیدہ سے فکری مناسبت کی نشاندہی ہو جانے کے بعد ضروری ہے کہ ان کے دوسرے ائمہ کے بارے میں شیعی کتب میں جس طرح نشاندہی اور بنی اسرائیل سے مناسبت ظاہر کی گئی اس پر غور کیا جائے کہ کس طرح شیعی ائمہ کو یہودی انبیاء (بنی اسرائیل) کا وارث قرار دیا گیا ہے۔

"امام کی تحویل میں حضرت سلیمان کی انگشتری اور حضرت موسیٰؑ کا عصا ہے"۔

(کافی کلینی۔ کتاب الحجۃ۔ باب ۳۶)

"حضرت یوسفؑ کی قمیص جو ان کے خاندان (بنی اسرائیل) میں رہی تھی وہ منتقل ہو کر آخر کار آلِ محمد کو ورثہ میں پہنچی"۔ (کافی کلینی۔ کتاب الحجۃ۔ باب ۲۷)

تجزیہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل کے انبیاء کی ذاتی اشیاء جو ان کے خاندان میں بطور تبرک رہیں، بعد میں آلِ محمد (ائمہ) کو ورثہ میں پہنچیں۔ جب کہ رسول مقبول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت اسماعیلؑ کی نسل میں آخری پیغمبر ہونے کے باوجود حضرت ابراہیمؑ کی اولاد حضرت یعقوبؑ (اسرائیل) کی ذاتی اشیاء کے وارث نہ بن سکے لیکن بقولِ شیعہ آلِ محمد (ائمہ) بنی اسرائیل کے وارث بن گئے۔ اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ شیعہ ائمہ کا تعلق بنی اسرائیل کی نسل سے تھا اور وہ کلیتہً بنی اسرائیلی تھے۔

یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ آلِ محمد کی اصطلاح کو کس قدر چالاکی سے شیعہ افکار نے اپنے لئے مخصوص کر لیا ہے۔ یہ اصطلاح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل کے

مفہوم میں مستعمل نہیں جیسا کہ سطورِ بالا سے ظاہر ہے۔ دراصل لفظ محمدؐ بد دیانتی سے ناجائز مقصد کے حصول کی خاطر اپنا لیا گیا ہے تاکہ صہیونی نظریہ سے مماثلت پیدا کی جا سکے۔ بنی اسرائیل اپنے آپ کو منتخب چہیتے (CHOSEN ONES) کہتے۔ اور آل محمد کے لغوی معنی (وہ منتخب جن کی تعریف کی گئی ہو) بھی (CHOSEN ONES) سے مختلف نہیں شیعیت میں بھی شیعہ ائمہ کا مقام بنی اسرائیل کے (CHOSEN ONES) ہی جیسا ہے۔ شیعیت کی اس دلیل کو درج ذیل بیان سے مزید تائید حاصل ہوتی ہے

"امام نے فرمایا" ہم حضرت سلیمان اور حضرت موسیٰ کے بعد آنیوالے انبیاء بنی اسرائیل سے مشابہت رکھتے ہیں اور اُن کے مثل ہیں" (کافی کلینی کتاب الحجۃ ص۵۲)

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ شیعیت اپنے ائمہ کو بنی اسرائیل کے (CHOSEN ONES) کا مقام دیتی ہے۔ شیعہ ائمہ کی بنی اسرائیل کے حضرت سلیمانؑ اور حضرت موسیٰ سے مماثلت ظاہر کرتے ہیں اور یہ کہ وہ بنی اسرائیل کے انبیاء کرام کے نوادرات، سلیمان علیہ السلام کی انگشتری، یوسفؑ کی قمیص اور عصائے موسیٰؑ کے وارث ہیں۔ اس نسبت سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ شیعیت کا پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہ عام طور پر اسلامی تعلیمات کی تحقیر کرتے ہیں اور بنی اسرائیل کی تعلیمات پر عمل پیرا ہیں۔ اس حقیقت کو ثابت کرنے کے لئے ایک مثال پیش ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق روزہ رکھنے کا دورانیہ فجر سے مغرب تک رکھا گیا ہے جب کہ بنی اسرائیل کی روایت میں روزہ رکھنے کا وقت فجر سے پہلے اور روزہ کھولنے کا وقت مغرب کے بعد متعین ہے۔ شیعہ اس طرح پیغمبر اسلامؐ کے احکامات سے انحراف کر کے بنی اسرائیل کی اتباع کرتے ہیں۔ وگرنہ ان کے اس انحرافانہ عمل سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے انحراف اور بنی اسرائیل کی تقلید کے سوا اور کیا سمجھا جا سکتا ہے۔

۴۔ شیعہ ائمہ تورات اور انجیل کے علوم کے حامل ہیں۔

شیعی فلسفۂ امامت اور ائمہ کے بنیادی عقیدہ اور اس کی امتیازی خاصیت پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ مذہبی علم، دانش اور ہدایت کے حصول میں جن ذریعوں کو اپناتے ہیں وہ یکسر اسلامی نظریات اور عقائد کے خلاف ہیں۔ شیعی عقائد بنی اسرائیل کی آسمانی کتابوں کی روشنی اور وسیلے سے مرتب کئے گئے ہیں۔ شیعہ ائمہ کے دینی علوم اور آسمانی ہدایت و رہنمائی کے حصول اور تعلیم و تبلیغ کی نوعیت اور طریقۂ کار کا انکشاف درجِ ذیل کے اقتباس سے ہوتا ہے :۔

"جب امام سے سوال کیا گیا کہ تورات و انجیل کا علم کس سے اور کہاں سے حاصل کیا، تو فرمایا" یہ علم ورثہ میں پایا۔ امام نے مزید فرمایا کہ ائمہ ان صحیفوں کو ان انبیاء جن پر یہ الہامی کتابیں نازل ہوئیں، کی طرح اصل زبان میں پڑھتے اور سمجھتے ہیں۔" (کافی کلینی۔ کتاب الحجۃ۔ باب ۳۳)

"امام نے فرمایا کہ ان کے پاس الجفر الابیض (سفید صندوق) ہے جس میں داؤدؑ کا زبور، موسیٰؑ کی تورات، اور عیسیٰؑ کی انجیل وغیرہ ہے لیکن اس میں قرآن نہیں ہے۔ پھر فرمایا کہ ان صحیفوں نے انہیں (ائمہ) خود اختیار اور کامل بنادیا ہے اور خلقت کو ان کی ضروریات اور ہدایت کے لئے ان (ائمہ) کا تابع کر دیا ہے۔ (کافی کلینی۔ کتاب الحجۃ۔ باب ۳۹)

سطور بالا کے اقتباسات سے جو منطقی نتائج اخذ ہوتے ہیں، ان کا نچوڑ یہ ہے۔

ا۔ شیعہ ائمہ کو بنی اسرائیل کا علم اور آسمانی کتب اور صحیفے ورثہ میں پہنچے تاکہ وہ ان کی تعلیم و تبلیغ کریں اور ان کا نفاذ کریں۔

ب۔ شیعہ نہ تو قرآن کے حامل ہیں اور نہ ہی اس پر ایمان رکھتے ہیں جو اسلام کی اساس ہے

ج۔ شیعہ عقیدہ میں دینی علوم اور الہامی ہدایت کا اسرائیلی مخرج، جس کا اوپر ذکر ہوا اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ شیعیت صہیونیت ہی کا ایک فرقہ ہے ایک شاخ ہے۔ دینِ اسلام اور پیغمبرِ اسلام سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں اسلام اور پیغمبرِ اسلام کا لیبل انہوں نے اپنے صہیونی افکار اور عزائم پر پردہ ڈالنے اور اہلیانِ اسلام کو دھوکے میں رکھنے کے لئے چسپاں کر رکھا ہے۔

۵۔ القرآن کے متعلق شیعی خیالات توجہ طلب ہیں۔

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ اہل یہود (بنی اسرائیل) جو مختلف انبیاء پر نازل ہونے والی ہر آسمانی کتاب میں تحریف کرتے رہے ہیں۔ یہ کیسے گوارا کرتے کہ القرآن جو اللہ تعالیٰ کا آخری و مکمل کلام ہے، اپنی اصلی اور صحیح صورت میں موجود رہے چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ شیعیت کے قیام میں یہودی منافق عبداللہ بن سبا کا اولین مقصد قرآن کو تبدیلی و تحریف کے ذریعہ مسخ کرنا تھا۔ شیعی علوم، افکار و ہدایت کے ذریعوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن پر ان کا ایمان نہیں ہے۔ بات یہیں ختم نہیں ہوتی۔ یہ فطری امر ہے کہ شیعی افکار یہ ہرگز پسند نہ کریں گے کہ قرآن اپنی تمامتر خوبیوں کے ساتھ اپنی اصلی حالت پر برقرار رہے۔ چنانچہ شیعی مسلک نے اسے مشکوک اور ناقابلِ اعتماد بنانے کی کوششیں شروع کیں۔ القرآن میں کل سات ہزار سے کم آیتیں ہیں۔ جب کہ شیعوں کا دعویٰ ہے کہ اصلی قرآن زیادہ ضخیم ہے اور اس میں سترہ ہزار آیتیں ہیں جو اس وقت تک منظرِ عام پر نہ آئے گا جب تک مہدی آخرالزماں دوبارہ ظاہر نہ ہو جائیں ان کا عقیدہ یہ ہے:۔

"القرآن جو روح الامین کے ذریعہ محمد پر نازل ہوا، اس میں سترہ ہزار آیتیں تھیں"۔

(کافی کلینی۔ کتاب فضل القرآن۔ باب ۱۴)

"اپنے دوبارہ ظہور (رجعت) پر امام مہدی اللہ کی اصل کتاب جسے علیؑ نے دو لوحوں سے جمع کیا، پیش کر کے تعلیم دیں گے" (کافی کلینی کتاب فضل القرآن باب ۱۱)

اوپر کے اقتباس میں دو لوحوں کا حوالہ قابلِ توجہ ہے۔ توراۃ کے مطابق حضرت موسیٰؑ کو اللہ کی طرف سے دو لوحیں عطا ہوئیں۔ جن پر احکامِ عشرہ (دس احکام) درج تھے (TEN COMMANDMENTS) اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ امام مہدی منتظر دراصل قرآن کی بجائے (بقول شیعہ تحریف شدہ قرآن) توراۃ کا مجموعہ پیش کر کے اس کی تعلیم دیں گے۔ یہ ہے وہ طریقۂ کار جسے اپنا کر شیعوں نے یہودیوں کے نقشِ قدم پر چل کر قرآن کو رَدّ کرنے کی کوشش کی جو اسلام کی اساس ہے۔ ان حقائق کے بعد بھی کیا اہلیانِ اسلام شیعیت کو اسلام کا ایک مکتبِ فکر سمجھیں گے۔ یا سطور بالا کی تحریر پر غور کرنے کے بعد مسلمانوں میں یہ احساس بیدار ہو جائے گا کہ شیعیت دراصل یہودیت کی ایک شاخ ہے۔

۶۔ شیعیت کا عقیدۂ تابوتِ سکینہ

شیعی مسلک کا ایک اور بنیادی عقیدہ، بنی اسرائیل کی آرک (تابوتِ یہودہ) پر ان کا ایمان ہے جو ہمیشہ یہودی غلبہ کا نشان رہا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے بعد بنی اسرائیل (یہودی قوم) اخلاقی اور مادی طور سے انحطاط کا شکار ہو گئے۔ انجام کار ۱۰۵۰ ق م میں نہ صرف فلسطین کا بڑا حصہ ان کے ہاتھ سے نکل گیا بلکہ آرک کشتی (تابوت) جس میں توراۃ اور حضرتِ موسیٰ اور ہارون کے تبرکات بھی تھے، بنی اسرائیل سے چھین گئی

القرآن کی آیت ۲-۲۴۸ میں اسی آرک کا ذکر تابوتِ سکینہ کے حوالے سے ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ ..... اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۔ (القرآن ۲-۲۴۸)

بنی اسرائیل آرک (تابوت (صندوق) سکینہ کو انتہائی مقدس اور اللہ کا ایک عہد نامہ تصور کرتے تھے لیکن جب آرک ان سے چھن گئی تو ان کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ اب ان کی عظمت کے دن بیت گئے۔ پھر جب ان کو دشمن کے مقابلہ میں شکست اور ذلت کا سامنا ہوا۔ تو ان میں بھگدڑ مچ گئی اور ان کے نبی سموئیلؑ ضعیف ہو چکے تھے۔ القرآن میں بیان فرمایا گیا ہے (آیت ۲-۲۴۶ تا ۲-۲۴۸) کہ قوم نے اپنے نبی سموئیل سے درخواست کی کہ ان پہ ایک دنیوی حکمران (بادشاہ) مقرر کریں جو ان کے دشمنوں کے خلاف جنگ کرے لیکن جب حضرت سموئیل نے طالوت کو ان پر حکمران مقرر کر دیا تو انہوں نے طالوت کی تقرری پر متعدد اعتراضات کئے۔ قرآن میں ہے کہ جواباً

www.KitaboSunnat.com

نبیؑ نے ان کو یہ بتایا :-

"اللہ کی طرف سے بادشاہ مقرر ہونے کی نشانی یہ ہے کہ دوران حکومت طالوت تم کو آرک واپس دلا دے گا جس سے تمہارا سکونِ دل و دماغ اللہ سے وابستہ ہے (سکینہ) اور جس میں آلِ موسیٰؑ و ہارونؑ کا ترکہ ہے اور جس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں۔ یہ تمہارے لئے ایک بڑی نشانی ہے، اگر تم سچے ایمان والے ہو۔" (القرآن ۲-۲۴۸)

آخر کار طالوت کی حکومت قائم ہو گئی اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق نبی سموئیلؑ کے ذریعہ طالوت کے عہد میں بنی اسرائیل کو آرک (تابوت یہوہ) بغیر کسی جد و جہد کے بازیاب ہوا۔ ان فرشتوں نے جو تابوتِ سکینہ کو اٹھائے ہوئے تھے، اسے بنی اسرائیل کو واپس پہنچا دیا۔ ساتھ ہی طالوت کو دشمنوں پہ فتح حاصل ہوئی۔ بنی اسرائیل کا یہ کامیاب دور بعد میں حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمان کے عہد تک برقرار رہا۔

۱- عہد طالوت   ۱۰۲۰ ق م تا ۱۰۰۴ ق م

۲- عہد داؤدؑ   ۱۰۰۴ ق م تا ۹۶۵ ق م

۳ - عہد سلیمانؑ ۹۶۵ ق-م تا ۹۲۶ ق-م

بنی اسرائیل کے اس تاریخی پس منظر میں تابوتِ سکینہ سے متعلق شیعی نقطۂ نظر ملاحظہ ہو۔ مذکورہ بالا قرآنی آیت ۲- ۲۴۸ کا شیعی ترجمہ حسب ذیل ہے :-

"اور (تب) ان کے نبی نے کہا بے شک اس کی بادشاہت کی نشانی یہ ہوگی کہ آرک (تابوتِ سکینہ) جس میں تمہارے رب کی طرف سے سکون (سکینہ) اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کے چھوڑے ہوئے نوادرات ہونگے فرشتے اس کو اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ بے شک اس میں تمہارے لئے ایک نشانی ہوگی اگر تم (واقعی) مومن ہو" (شیعہ قرآن ص۱۷۱)

اس آیت سے متعلق درج ذیل شیعی تفاسیر کے چند اقتباسات قابل توجہ ہیں۔

"سکون، جس کا یہاں ذکر ہے۔ ضروری نہیں کہ سکونِ قلب ہی مراد ہو بلکہ اس سے اور کچھ مراد ہے" (شیعہ قرآن ص۲۱۹)

"آرک (تابوت یعنی صندوق) ایک نبی سے ہوکر دوسرے نبی تک پہنچتا رہا بتایا گیا ہے کہ اس میں حضرت موسیٰؑ کے جوتے (نعلین) ان کا عصا اور لباس اور ہارون کا عمامہ (پگڑی) اور دیگر متبرک نوادرات ہیں۔ اللہ نے اس تابوت کو معجزانہ اثرات سے بھی نوازا ہے" (شیعہ قرآن ص۲۱۹)

"اس (تابوت) سے آسمانی بادشاہت کے قیام کے علاوہ آسمانی نشانیوں کا ظہور بھی ہوگا۔ مثلاً اللہ کی طرف سے چنے گئے سلسلہ سے متبرک ورثہ (CHOSEN . ONES) جو آسمانی (سکینہ) یا سکون کا حامل ہوگا"۔ (شیعہ قرآن ص۲۲۰)

سطور بالا میں القرآن کی آیت ۲- ۲۴۸ کا شیعی ترجمہ اور اس کی تفسیر کے مطالعہ سے ذیل کے نکات واضح ہوتے ہیں :-

ا- بنی اسرائیل کی آرک (آسمانی نشانی) میں تین چیزیں ہیں :-

(۱) حضرتِ موسیٰؑ اور ہارونؑ کی ذاتی اشیاء
(۲) سکینہ اور چند دوسری متبرک اشیاء (نوادرات)
(۳) نشانی (ہدایت) بمعنی تورات سے ہدایت (جو صندوق میں موجود ہے)
ب۔ ہر نبی تک یہ نشانی اور آرک صرف ورثہ کے ذریعہ پہنچے گی۔
ج۔ آسمانی بادشاہت (قیادت) کے پاس آسمانی نشانی کا (ایک متبرک ورثہ کے طور پر) اللہ کی طرف سے منتخب کردہ نسل سے منتقل ہونا لازمی ہے۔
د۔ تابوت یا سکینہ کا بنی اسرائیل سے شیعہ ائمہ تک ورثہ میں پہنچنے کی نشاندہی ہوتی ہے۔
و۔ اسی بنا پر شیعہ تابوتِ سکینہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کی وراثت کے دعویدار ہیں سکینہ (تابوتِ یہودہ) پر شیعوں کے عقیدے (زیرِ تجزیہ) کی مزید توضیح و تصدیق کلینی کی کافی کی مختصر لیکن واضح روایت کردہ 'حدیث' سے ہوتی ہے۔ کہ "سکینہ ہی اصل ایمان ہے"۔ (کافی کلینی۔ کتاب الامام والکفر۔ باب۔۱)
آخر میں شیعوں نے اقبال کیا ہے کہ ان کے پاس دوسری چیزوں کے علاوہ 'ایک شئے جسے فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں' بھی ہے۔ اس کا اشارہ صاف صاف بنی اسرائیل کے تابوتِ یہودہ (آرک) کی طرف ہے جسے فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں (مطابق القرآن ۲۔۲۴۸) اور بعد میں جسے فرشتوں کے ذریعے واپس پہنچایا گیا۔
درج ذیل واضح اعتراف قابلِ توجہ ہے اس سے شیعی عقیدہ کا پوری طرح ادراک ہوتا ہے

"امام نے دعویٰ کیا میرے قبضہ میں نبی کی تلوار، زرہ اور نیزہ ہے۔ میرے پاس حضرتِ موسیٰؑ کی لوحیں، عصا اور چلیمچی بھی ہے۔ میرے پاس حضرت سلیمانؑ بن داؤدؑ کی انگشتری کے علاوہ وہ شئے بھی ہے جسے فرشتے اٹھائے ہوئے تھے۔ اور بعد میں (بنی اسرائیل کو) واپس پہنچایا تھا" (کافی کلینی۔ کتاب

یہ مستند اقبالی بیان کسی مزید وضاحت کا محتاج نہیں اور شیعیت اور یہودیت کے افکار و عقائد میں یکسانیت اور یک جہتی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آرک (تابوتِ سکینہ یا یہودہ) کے سلسلے میں صیہونیت اور شیعیت دونوں کا یکساں عقیدہ اور ایمان ہے اس تابوت میں داشتہ چیزوں کو دونوں اپنے لئے نصرت اور کامرانی کی نشانی سمجھتے ہیں اور یہ ان کا عقیدہ الواحِ موسیٰ یعنی تورات پر باہمی اشتراکِ عقیدہ کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا۔

۷۔ باغِ فدک اور دوسری یہودی املاک پر ملکیت کا دعویٰ

شیعہ مسلک کا ایک اور اہم عقیدہ مدینہ کے شمال میں واقع فدک اور دوسرے مقامات پر حقِ وراثت کا ہے جسے یہودیوں سے حاصل کر کے اسلامی ریاست (جس کے سربراہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر اسلام تھے) میں شامل کر لیا گیا تھا۔ شیعہ فدک اور دوسری یہودی اراضیوں کو اسلامی ریاست کا حصہ نہیں سمجھتے۔ جب کہ یہودی شرپسندوں اور سازشیوں کے نکالے جانے کے بعد ان کی زمینوں پر مدینہ کی اسلامی ریاست کے حق ملکیت پر نہ یہ کہ صرف اعتراض کرتے ہیں بلکہ اسلامی ریاست کو غاصب سمجھتے ہیں۔ آج یہودی بھی اپنے ان علاقوں کی بازیابی کے متمنی ہیں شیعہ ان یہودی زمینوں پر اپنی ملکیت جتانے کے سلسلہ میں جو روایتی شور و غوغا کرتے آئے ہیں اس کی تہہ میں جانا ضروری ہے۔ تاکہ ان کے درونِ قلب و دماغ میں پوشیدہ صحیح اغراض و مقاصد کی تصدیق ہو سکے سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس مسئلہ پر صہیونیت اور شیعیت کے زاویۂ نظر میں کلیتاً مطابقت کیوں ہے؟

تاریخی پس منظر مدینہ میں اسلامی ریاست کے قیام کے ساتھ ہی عرب کے یہودیوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا جال پھیلانا شروع

کردیا۔ باوجود اس کے کہ یہودیوں اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک معاہدہ طے پا چکا تھا، یہودی متواتر اس معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے رہے حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے یہ وطیرہ بنا رکھا تھا کہ اسلامی مرکز سے کئے گئے معاہدہ کو خاطر میں نہ لاکر من مانی کریں۔ بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاروناچار یہودیوں کو ان کی دغابازی اور سازشوں کی سزا دینے کا فیصلہ کیا۔ یہودی قوم کے خلاف مناسب کارروائی عمل میں آئی۔ جنگ ہوئی جس میں یہودیوں کو شکست ہوئی۔ ان کی زمینوں پر قبضہ کرکے انہیں جلاوطن کر دیا گیا۔ پھر بھی باقیماندہ یہودی اسلامی ریاست اور اس کے سربراہ کے خلاف متحرک رہے۔ بصورتِ مجبوری ان یہودیوں کو ان کے علاقوں بشمول 'فدک' سے نکال دیا گیا۔ اور ان کی غیر منقولہ جائیداد کو 'فے' کی صورت میں اسلامی ریاست میں شامل کر لیا گیا۔

جارحیت پسند غیر مسلموں (یہودی و دیگر) سے بغیر جنگ جو جائیداد حاصل کی جائے وہ مالِ غنیمت یا غنیمت نہیں بلکہ 'فے' کے زمرے میں آتی ہے۔ جب کہ غنیمت وہ جائیداد ہے جو جارح غیر مسلموں سے لڑائی میں شکست کے بعد حاصل ہو۔ القرآن کے حکم (آیت ۸۔۴۱) کے مطابق مالِ غنیمت کا ۴/۵ حصہ مجاہدین میں تقسیم ہوتا ہے جب کہ ۱/۵ حصہ بیت المال (سرکاری خزانہ) میں جاتا ہے لیکن 'فے' کلیتہً سرکاری ملکیت ہوتی ہے۔ جو سب کی سب مسلمانوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کی جاتی ہے۔ 'فے' کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"جو کچھ اللہ تعالیٰ نے (خیبر والوں سے) لیکر اپنے پیغمبر کو عطا فرمایا ہے وہ اللہ، پیغمبر اسلام، ان کے اہل بیت، یتیموں، مساکین اور محتاجوں کی (ملکیت) ہے تاکہ یہ تم میں سے جو مالدار ہیں انہی کے درمیان گردش نہ کرے" (القرآن ۷۔۵۹)

اس قرآنی آیت سے پوری طرح واضح ہے کہ فے بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ کی

ملکیت ہے۔ لہٰذا بیت المال کی تحویل میں جاتی ہے جس کی منتظم (اس وقت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس تھی۔ آنحضرت ؐ نے اس کی آمدنی اپنی ذات، اپنے اہلِ بیت، یتیموں، مساکین اور محتاجوں پر خرچ کی۔ اور چونکہ فے سرکاری ملکیت ہے، نہ کہ سربراہِ ریاست کی ذاتی، اس لئے اس کو ورثہ میں دئے جانے یا ہبہ کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

شیعیت کے پیروکاروں کے مطابق فدک، جو یہودیوں سے فے کی صورت میں حاصل کیا گیا تھا۔ پیغمبرِ اسلام کی ذاتی ملکیت تھا، اس لئے اس کی منتقلی ان کی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہرا رضؓ سے شروع ہو کر آل محمد (ائمہ) پر ہونا لازمی تھی شیعوں کے اعتراضات حسبِ ذیل ہیں:۔

"رسولِ پاک ؐ کی زندگی ہی میں فدک (حضرت) فاطمہ (رضؓ) کو منتقل ہو گیا تھا۔" (یعنی ہبہ کر دیا گیا تھا) (شیعہ قرآن ص۱۶۵۳)

پھر (حضرت) فاطمہ (رضؓ) نے رسولِ پاک (ص) کی وارث کی حیثیت سے فدک کی ملکیت کا دعویٰ کیا لیکن اسے بھی رد کر دیا گیا ..... ان کے دلائل پر خلیفہ ابوبکر (رضؓ) اور عمر (رضؓ) نے کوئی دھیان نہ دیا۔" (شیعہ قرآن ص۸۹۵-۸۹۶)

"اس طرح اولاد کے حقوق سے متعلق قرآن کے متواتر احکامات کی خلاف ورزی کر کے آلِ محمد کے حق میں ناانصافی برتی گئی"۔ (شیعہ قرآن ص۱۶۵۳)

یہ یک طرفہ دعویٰ کہ فدک کی سابقہ یہودی جائیداد "فدک" آلِ محمد (ائمہ) کی ملکیت ہے قرآنی احکاماتِ کے خلاف محض ایک افترا ہے۔ ان بے بنیاد الزامات اور اعتراضات کی تردید کے لئے دو دلائل کافی ہیں۔

(۱) بالفرض اگر یہ وراثت کا مسئلہ تھا تو محض حضرت فاطمہ رضؓ ہی اکیلی اس کی وارث نہ تھیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری تین صاحبزادیاں، ساری امہات

المومنین (ازواجِ مطہرات رسولؐ) اور حضور اکرمؐ کے چچا حضرت عباسؓ بھی موروثی جائیداد میں حصہ دار تھے۔

(۲) جب سیدنا علیؓ (حضرت فاطمہؓ کے شوہر نامدار) خود خلیفہ ہوئے تو انہوں نے بھی اس جائیداد کا انتظام سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمر فاروقؓ اور سیدنا عثمانؓ ہی کے خطوط پر کیا۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ چونکہ فدک اور دیگر یہودی جائیداد فے (ریاست کی ملکیت) تھیں۔ اس لئے دراصل اس کو ہبہ کرنے یا ورثے میں دئے جانے کا سوال نہ تو اٹھایا ہی گیا تھا اور نہ ہی اٹھایا جا سکتا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ شیعیت کے اس دعوے کے پیچھے کچھ دوسرے محرکات ہیں۔

مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ شیعیت کا مختصر دعویٰ یہ ہے کہ فدک آلِ محمدؐ کی ملکیت ہے۔ شیعہ حلقوں اور ان کے علماء نے فدک اور آلِ محمد کے مفہوم کی مزید توضیح یوں کی ہے:-

"امام نے وضاحت کی کہ فدک کی حدود میں اُحد کے پہاڑ، عریش مصر، سیف البحر اور دومۃ الجندل آتے ہیں" (کافی کلینی۔ کتاب الحجۃ باب ۱۲۸)

"امام نے اس (مخاطب) سے پوچھا۔ تم جانتے ہو کہ بیت المقدس کیا ہے اس نے جواب دیا کہ بیت المقدس سوریہ (شام) میں واقع ہے۔ اس پر امام نے انکشاف کیا کہ بیت المقدس، بیت آلِ محمدؐ کے سوا کچھ اور نہیں"۔ (کافی کلینی۔ کتاب الحجۃ۔ باب ۱۸)

شیعی نظریہ اور اس کی وضاحت کے مطابق فدک ایک مخصوص مقام کا نام ہی نہیں بلکہ اس وسیع عرب علاقہ کے لئے مستعمل ہے جو کبھی یہودیوں کی ملکیت میں تھا مزید یہ کہ شیعی نظریہ کے مطابق بیت المقدس سے بیت آلِ محمد مراد ہے جس کا مطلب

یہ ہوا کہ یروشلم نہ صرف بنی اسرائیل کا مرکز اور قبلہ ہے بلکہ شیعی ائمہ (آلِ محمد) کا بھی قبلہ و کعبہ ہے (اسی نسبت سے گذشتہ دنوں شیعہ دنیا نے خمینی کے حکم پر یوم القدس بڑے زور شور سے منایا تھا)

سطورِ بالا میں بیان کئے گئے تمام شیعی دعووں، ان کی تصدیق اور وضاحت کے مطابق عرب کی وسیع سرزمین جو پہلے یہودیوں کی تحویل میں تھی، یہودیوں اور شیعوں کی مشترکہ ملکیت ہے۔ اور یہی دراصل "اسرائیل عظمیٰ" کا خواب اور منصوبہ ہے جس کی تعبیر اور تکمیل کے لئے یہودی اور ان کے پیروکار (شیعہ) مل کر کام کر رہے ہیں۔ سنہ ۱۹۴۸ء میں اسرائیل صغیر کے وزیر اعظم بن گوریان نے رائے زنی کی تھی کہ وہ (یہودی) مسلمانوں کو ان تمام علاقوں سے نکال باہر کریں گے جہاں سے ماضی میں وہ (یہودی) نکالے گئے تھے۔ اس طرح یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ صیہونیت/یہودیت کی طرح شیعوں کے بھی یہ عزائم ہیں کہ دنیائے اسلام کے مرکز پر قابض ہو کر مسلمانوں کو وہاں سے جلاوطن کر دیا جائے۔ اس طرح کیا شیعیت کا نظریہ و عقیدہ، اور ان کے اغراض و مقاصد پوری طرح بے نقاب نہیں ہو جاتے۔ ساتھ ہی یہ ثابت ہو گیا کہ شیعیت نہ صرف یہ کہ ایک غیر اسلامی نظریہ ہے۔ بلکہ شیعیت اور صیہونیت ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ اس طرح شیعی افکار و عزائم اور کردار کھل کر سامنے آجاتے ہیں۔

حرفِ آخر۔ خلاصہ و نتیجہ

گذشتہ دو ابواب میں فعال (سیاسی) اور نظریاتی شیعیت کے جائزے اور مطالعے سے جو خاص نکات ابھر کر سامنے آتے ہیں، وہ یہ ہیں:۔

۱۔ ایران و اسرائیل کے درمیان حالیہ تعلقات اور باہمی اشتراک و ہم آہنگی اور تعاون کا ایک تاریخی پس منظر ہے جس کا سراغ لگانا مشکل نہیں شیعوں اور یہودیوں کے تاریخی رشتوں سے نہ صرف

ان کے عقائد و نظریات کی نوعیت و یکسانیت کا پتہ چلتا ہے بلکہ ان کے اغراض و مقاصد اور عمل میں یک جہتی اور باہمی انحصار کی بھی نشاندہی ہوتی ہے۔

۲۔ شیعیت دراصل ایک یہودی دماغ کی اختراع ہے اس کی پیدائش یہودیت کی کوکھ سے ہوئی ہے۔ مزید شیعی مسلک کا آغاز حضرت عثمانؓ کے دور میں ہوا جب کہ اسلامی ریاست (خلافت راشدہ) سیاسی و دنیوی لحاظ سے انتہائی عروج پر پہنچ چکی تھی۔ شیعہ مذہب کے ظہور کا مقصد اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام اور امتِ مسلمہ کو نقصان پہنچانا تھا۔ چنانچہ پہلی صدی ہجری میں خلافت راشدہ کو نقصان پہنچانا، عہدِ وسطیٰ میں خلافت بغداد کی تباہی اور عہدِ حاضر میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کی نظریاتی اساس کو ڈھانا، اسلام اور دنیائے اسلام کے خلاف شیعی سازش کی چند نمایاں کڑیاں ہیں۔

شیعیت کے اس گھناؤنے کردار کی امام مالکؒ، امام ابن تیمیہؒ اور شاہ عبدالعزیز محدثؒ جیسے اعلیٰ مقام علماء نے نشاندہی کی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

شیعیت کے بنیادی عقائد اور نظریات کم و بیش یہودیت، صیہونیت سے ماخوذ ہیں۔ مثلاً شیعی عقیدۂ امامت، ائمہ کے علم و ہدایت کا ذریعہ، امام مہدی آخرالزماں کی نشاندہی ائمہ کی ہدایت کا سرچشمہ۔ بنی اسرائیل سے نسلی تعلق اور ورثہ، قرآن کی بجائے تورات پر ایمان اور بنی اسرائیل کے تابوتِ یہودہ (تابوتِ سکینہ) پر عقیدہ دراصل معروف یہودی نظریات اور افکار کی حمایت اور پیروی ہے۔ علاوہ بریں سرزمین عرب کے وسیع علاقے (سابقہ یہودی علاقے) پر حق جتانا بھی اسرائیلی صیہونیت کے اسرائیلِ عظمیٰ کے منصوبہ کی حمایت و تائید ہے۔ افکار و نظریات میں یکسانیت و مماثلت اور تاریخ میں ان کی مشترکہ و مسلح کارروائیاں ناظرین کو حسبِ ذیل اہم نتائج اخذ کرنے کی راہ دکھاتی ہیں۔

۱۔ عام خیال کے برعکس شیعیت کو اسلام کا ایک مکتبِ فکر ہرگز نہیں گردانا جا سکتا۔ شیعہ مسلک کا اپنا ایک جداگانہ فلسفہ اور ڈھانچہ ہے جو اسلام کے بنیادی عقائد و

۱۔ شیعیت ... [illegible] سے یکسر مختلف ہے۔ حاصل نظر یہ کہ شیعیت ایک اسلام دشمن مذہب ہے۔ شیعہ مذہب کی پیدائش کا اولین مقصد اسلام اور اہلیانِ اسلام کو زک پہنچانا اور تباہ کرنا ہے۔

۲۔ شیعیت اصل میں یہودیت کی بگڑی شکل ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان کے [illegible] عزائم بھی بعینہٖ یہی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ شیعیت اسلامی لبادہ میں [illegible] کا دوسرا نام ہے۔ تازہ ترین ثبوت مئی ۱۹۸۵ء کا [illegible] سامنے آیا ہے جب [illegible] شاہین متعین ایرانی عمل ملیشیا نے یہودیوں اور عیسائیوں سے ملکر فلسطینی مسلم [illegible] کا قتل عام اس وجہ سے کیا کہ وہ اسرائیلی تسلط کے خلاف [illegible] عسکری قوت تھے۔ [illegible] اس عبرتناک واقعہ سے اور حالیہ مارچ ۱۹۸۶ء کے [illegible] صابرہ اور شطیہ [illegible] توپ خانے اور ٹینکوں کے دوبارہ حملے سے عالم اسلام کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔

۳۔ یہودیت اور شیعیت دراصل ایک ہی آئینہ کے دو رخ ہیں۔ دونوں رخ اسلام اور [illegible] کے خلاف خونریز عزائم کی یکساں عکاسی کرتے ہیں۔ اور انکے اغراض ومقاصد آج بھی اسی طرح ہیں لہٰذا اہلِ اسلام جس قدر جلد اس خطرے کا احساس کر لیں [illegible] ہے۔ وما علینا الا البلاغ المبین۔

تالیف: ۴ر شوال ۱۴۰۵ھ بمطابق ۲۳ر جون ۱۹۸۵ء

نظر ثانی: ۳ر شعبان ۱۴۰۶ھ بمطابق ۱۴ر اپریل ۱۹۸۶ء

المكتبة الرحمانية
11890

فاضل مستشرق پروفیسر براؤن کا تجزیہ

شیعہ سنی کا جھگڑا صرف ناموں یا شخصیتوں کا جھگڑا نہیں ہے بلکہ دو متضاد اصولوں یعنی جمہوریت اور بادشاہوں کے حق الٰہی (DIVINE RIGHT) کا جھگڑا ہے۔ عرب زیادہ تر جمہوریت پسند ہیں اور ہمیشہ رہے ہیں لیکن ایرانی ہمیشہ اپنے بادشاہوں کو الٰہ یا نیم الٰہ ہستیاں سمجھتے رہے ہیں۔ جو طبائع اس بات کو گوارا نہیں کر سکتیں کہ لوگوں کا منتخب کردہ شخص ان کی ریاست کا حاکم ہو، وہ امام یعنی خلیفۃ الرسول کو کیسے تسلیم کر سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایران ہمیشہ سے اسماعیلیہ اور امامیہ فرقوں کا مرکز بنا رہا۔

پروفیسر براؤن نے اس ضمن میں "رضائے کرد" کے یہ اشعار بھی پیش کئے ہیں:۔

بشکست عمر پشت ہزبران اجم را — برباد فنا داد رگ و ریشہ جم را
ایں عربدہ بر غصب خلافت ز علی نیست — با آلِ عمر کینہ قدیم است عجم را

ترجمہ:۔ حضرت عمر نے ایرانی پہلوانوں کی کمر توڑ ڈالی تھی اور ان کی شہنشاہیت کا رگ و ریشہ بکھیر دیا تھا۔ یہ جو فتنہ اہل عرب کے خلاف ہے، حضرت علی رض کے حق خلافت غصب ہونے کے باعث نہیں۔ بلکہ آلِ عمر (اہل عرب) کے ساتھ عجمیوں کی عداوت پرانی ہے۔ (تاریخ ادبیات ایران ص ۲۹-۳۰ براؤن)

انتساب:۔

اس رسالہ کو ان شیعہ اولیٰ کے نام منسوب کیا گیا ہے، جو صدقِ دل سے موجودہ قرآن کو اصلی نازل شدہ "الکتاب"، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی آخر الزمان، خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رض کو ہدایت یافتہ مؤمنین کا مقام دیکر قابلِ اتباع سمجھتے ہیں۔۔ امامت کو خلافت سے منسوب کرتے ہیں اور امہات المؤمنین کو اپنی مائیں کہتے ہیں۔ کیونکہ یہی عقائد دین برحق کی اصل ہیں اور ذریعہ ہدایت و نجات۔

محمود احمد